

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔



منجانب .

سپیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان



۷۸۶
۹۲-۱۱۰
یا صاحب الزماں اور کئی



لبیک یا حسینؑ

نذر عباس
شخصی تعاون
رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

www.ziaraat.com

SABIL-E-SAKINA

Unit 08,

Latifabad Hyderabad

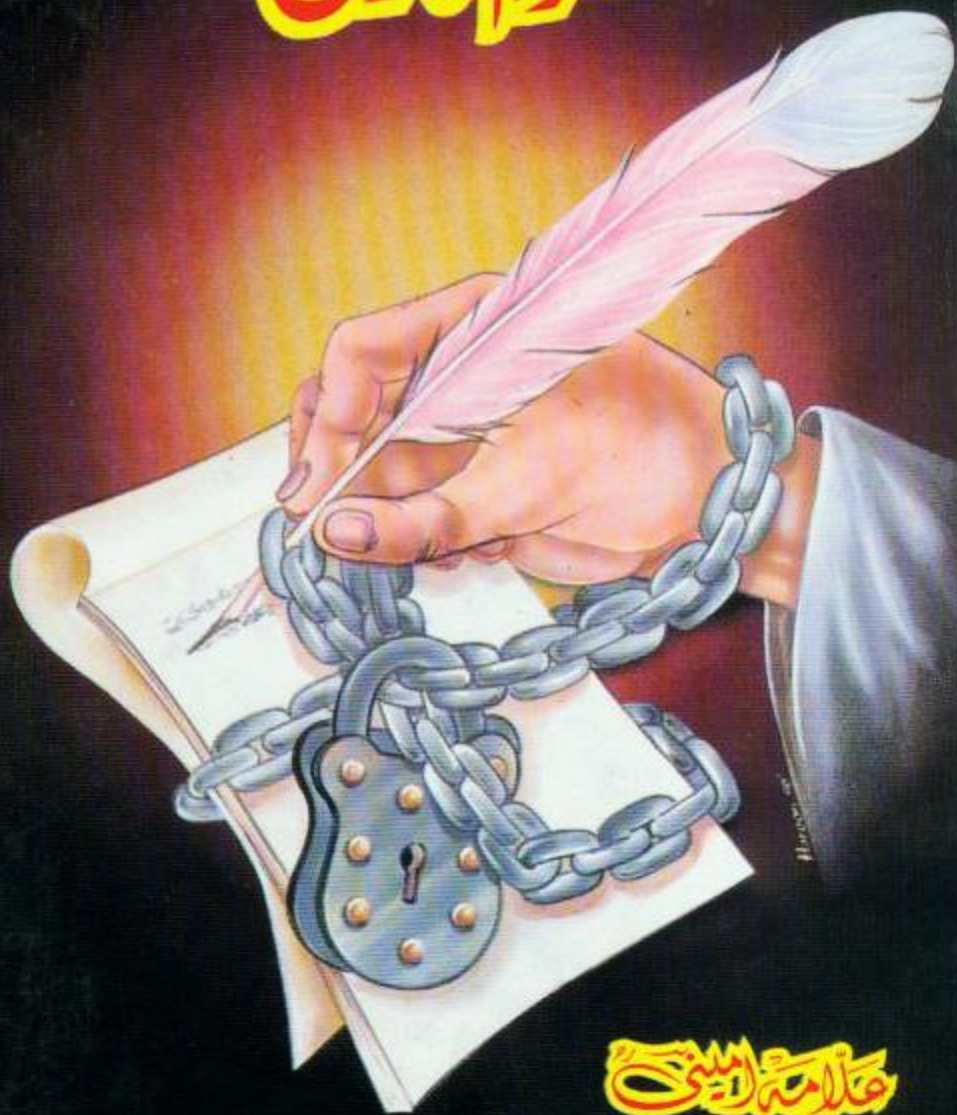
Sindh, Pakistan.

www.sabeelasakina.page.tl

sabeelasakina@gmail.com

NOT FOR COMMERCIAL

ابوطالب السبيل مظالم تاريخ



عالمية التوزيع

ابوطالب منظوم تاریخ

عبدالحسین العروۃ العلام امینی
(صاحب القلم)
۱۳۲۰ھ ۵ ۱۳۹۰ھ

۵۳۲۵ پوسٹ بکس
جامعہ تعلیمات اسلامی کراچی۔ پاکستان

اسلام

”کیا تم نے پوری طرح سمجھ لیا ہے کہ اسلام کیا ہے؟“

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کی بنیاد حق و صداقت پر رکھی گئی ہے۔
یہ علم کا ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے عقل و دانش کے متعدد چشمے پھوٹتے ہیں۔
یہ ایک ایسا چراغ ہے جس سے لاتعداد چراغ روشن ہوتے رہیں گے۔
یہ ایک ایسا بلند رہنما مینار ہے جو اللہ کی راہ کو روشن کرتا ہے۔
یہ اصولوں اور اعتقادات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جو حق و صداقت کے ہر متلاشی کو
اطمینان بخشتا ہے۔

اے لوگو! جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اپنی برترین خوشنودی
کی جانب ایک شاندار راستہ اور اپنی عبودیت اور عبادت کا بلند ترین معیار قرار
دیا ہے۔ اس نے اسے اعلیٰ احکام، بلند اصولوں، محکم دلائل، ناقابل تردید تفوق
اور مسلمہ دانش سے نوازا ہے۔

اب یہ تمہارا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو شان اور عظمت بخشی
ہے اسے قائم رکھو۔ اس پر خلوص دل سے عمل کرو۔ اس کے معتقدات سے
انصاف کرو۔ اس کے احکام اور فرامین کی صحیح طور پر تعمیل کرو اور اپنی زندگیوں
میں اسے اس کا مناسب مقام دو۔“

(امام علی علیہ السلام)

تالیف علامہ امینی
ترجمہ محمد فضل حق
اہتمام رضا حسین رضوانی
کتابت اشرف راحت
تصحیح کاظم علی گجراتی
مطبع زمزم پرنٹرز۔ کراچی
طبع سوم ۲۰۰۳ء

جملہ حقوق محفوظ ہیں یہ کتاب کلی یا جزوی طور پر اس شرط کے ساتھ فروخت کی جاتی ہے کہ جامعہ ہذا کی پیشگی
اجازت حاصل کئے بغیر یہ موجودہ جلد بندی اور سرورق کے علاوہ کسی بھی شکل تجارت یا کسی اور مقصد کی خاطر
نہ تو عادی یا کرایے پر دی جائے گی اور نہ ہی دوبارہ فروخت کی جائے گی۔ علاوہ ازیں کسی آئندہ خریدار یا
بلور علیہ حاصل کرنے والے پر یہ شرط عائد نہ کرنے کے لئے بھی ایسی ہی پیشگی اجازت کی ضرورت ہوگی۔



قارئین گرامی!

یہ کتاب ادارہ جامعہ تعلیمات اسلامی کی مطبوعات میں سے ہے۔ ادارہ ہذا کی مطبوعات کی اشاعت کا منصفد دور حاضر کی روحانی ضروریات کا پورا کرنا اور بالخصوص اسلامی طرز فکر کو اجاگر کرنا ہے۔

اس ادارے نے اس بات کی پوری پوری کوشش کی ہے کہ فقط وہی مواد پیش کیا جائے جو مستند ہو۔ اس کتاب کی تیاری میں بھی یہی احتیاط برتی گئی ہے اور ایسی معلومات بھی شامل کی گئی ہیں جو بہت گراں قدر ہیں۔

آپ سے گزارش ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ اسی نقطہ نگاہ سے کریں جس کے تحت یہ لکھی گئی ہے۔

آپ سے یہ بھی استدعا ہے کہ ہمارے مطبوعات پر اپنی بے لاگ آراء تحریر فرما کر بھیجیں جو بڑی خوشی سے اور شکرے کے ساتھ قبول کی جائیں گی۔

دعوت اسلام کو فروغ دینا ایک ایسا کام ہے جس کی انجام دہی کے لیے ہم سب کو تعاون کرنا چاہیے۔ ادارہ آپ کو اس کار خیر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے تاکہ اس ارشاد ربانی کی تعمیل ہو سکے:

”اے رسول! کہہ دیجیے: میں تمہیں بس ایک ہی نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ کہ اللہ کی خاطر اجتماعی یا انفرادی طور پر قیام کرو اور پھر غور کرو“
(سورہ سبتا - آیت ۲۶)
دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں آپ پر نازل ہوں۔

تعاون کا طلبگار

سکرٹری نشر و اشاعت

کچھ اپنے بارے میں

حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید ابوالقاسم موسوی خوئیؒ

کا قائم کردہ یہ بین الاقوامی ادارہ جامعہ تعلیمات اسلامی پاکستان اب حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی سیستانی دام ظلہ العالی کی سرپرستی میں دنیا بھر میں معتبر اور مستند اسلامی لٹریچر عوام تک پہنچانے میں کوشاں ہے۔ اس ادارے کا مقصد دور حاضر کی روحانی ضروریات کو پورا کرنا، لوگوں کو محکم اسلامی علوم کی طرف متوجہ کرنا اور اس گراں بہا علمی سرمائے کی حفاظت کرنا ہے جو اہلیت رسولؐ نے ایک مقدس امانت کے طور پر ہمارے پر دیا ہے۔

یہ ادارہ اب تک اردو، انگریزی، فرانسیسی، سواحلی، گجراتی اور دیگر زبانوں میں سیکڑوں کتابیں شائع کر چکا ہے جو اپنے مشمولات، اسلوب بیان اور طباعت کی خوبیوں کی بنا پر فردوس کتب میں نمایاں مقام حاصل کر چکی ہیں۔ نشر و اشاعت کا یہ سلسلہ انسانیت کو صراط مستقیم کی شناخت کرواتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔

اس کے علاوہ جامعہ ہذا تقریباً ۵۰۰ مدارس و مکاتب میں زیر تعلیم بچوں اور جوانوں کو اسلامی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے میں اپنا کردار ادا کر رہا ہے۔

دعوت اسلام ایک ایسا کام ہے جس کو فروغ دینے کے لئے ہم سب کو باہمی تعاون کرنا چاہئے۔ ادارہ آپ سب کو اس کار خیر میں شرکت کی دعوت دیتا ہے تاکہ اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر میں عام کیا جاسکے۔

دعا ہے کہ خداوند منان بحق محمد و آل محمد ہم سب پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔

شیخ یوسف علی نقسی

وکیل حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سیستانی دام ظلہ العالی

مندرجات

۹	عرض ناشر
۱۳	مؤلف کے مختصر حالات پہلا باب
۲۷	حضرت ابوطالبؑ کے اقوال اور اشعار دوسرا باب
۳۷	رسول اکرمؐ کی خاطر ابوطالبؑ کی کوشش و زحمت
۵۰	شام کا سفر
۵۶	رسول اکرمؐ کے وسیلے سے بارش کی دعا
۵۹	امیر المؤمنینؑ کی ولادت اور ابوطالبؑ
۶۱	ابوطالبؑ اور آغاز نبوت
۶۳	حضرت رسولؐ کی گمشدگی
۷۱	آغاز دعوت اور ابوطالبؑ
۷۹	ابوطالبؑ کی علیؑ کو ہدایت
۸۲	علیؑ کو نماز پڑھنے کی اجازت
۸۷	جعفرؑ کو نماز پڑھنے کی ہدایت
۸۵	حضرت رسولؐ سے ابوطالبؑ کا جوشِ محبت
۸۸	ابوطالبؑ اور ابن زبیرؑ
۸۹	ابوطالبؑ کا قریش سے برتاؤ
۹۶	قریش کا عہد نامہ اور ابوطالبؑ
۱۰۲	وقت و فوات قریش کو نصیحت
۱۰۶	ابوطالبؑ کی اپنے خاندان کو وصیت
۱۰۸	ایک حدیث جو ابوطالبؑ سے مروی ہے

وَلَوْلَا أَبُو طَالِبٍ وَابْنُهُ

لَمَا مَثَلَ الدِّينُ شَخْصًا وَقَامَا

فَذَاكَ بِبِكَّةِ أَوْى وَحَامَى

وَهَذَا بِيَثْرِبَ جَسَّ الحَمَامَا

اگر ابوطالبؑ اور ان کا بیٹا رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی پشت پناہی کے لیے اٹھ کھڑے نہ ہوتے
تو دین اسلام بار آور نہ ہو پاتا۔

ابوطالبؑ نے مکہ میں رسول اللہؐ کو پناہ دی
اور ان کی حمایت کی اور ان کے بیٹے نے مدینہ میں
اسلام کی خاطر آخری دم تک جہاد کیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 اَمْحَدُ لَوْلِیْهِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰی نَبِیِّهِ
 وَآلِهِ الْاَلَمْحَمَّةِ وَآوَلِیَّاءِ الْاَلَمْحَمَّةِ

عرض ناشر

زیر نظر کتاب : اَبُو طَالِبٍ ۴ — مظلوم تاریخ

ایک گرانہا کتاب ” الغدیر “ کی جلد ۸ کے ان حصوں کا ترجمہ ہے جو امیر المومنین امام علی علیہ السلام کے والد بزرگوار حضرت ابوطالب کے حالات زندگی پر مشتمل ہیں اور بلاشبہ ” الغدیر “ کے فاضل مؤلف نے دیگر موضوعات کی طرح اس موضوع میں بھی تحقیق و تالیف کا حق ادا کر دیا ہے۔

اردو زبان میں ابوطالب بن عبدالمطلب کی شخصیت پر بہت ہی کم لکھا گیا اور جو کچھ لکھا گیا ہے، اس میں بھی اختلاف نظر پایا جاتا ہے۔ اس ضمن میں سب سے اہم امر تو یہ دیکھنا ہے کہ حضرت ابوطالب جیسے بزرگوار نے اپنی زندگی میں کونسے کام کس طرح انجام دیے۔ تاریخ کی شہادتوں کے مطابق کہ جن میں سے کچھ اس کتاب میں شامل ہیں، حضرت ابوطالب نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ

تیسرا باب

۱۱۱ ایمان ابوطالب کے متعلق اُن کے اہل و عیال کی رائے

چوتھا باب

۱۳۱ ایمان ابوطالب کے بارے میں معصومین کے پاکیزہ کلمات

پانچواں باب

۱۴۱ ایمان ابوطالب کے اثبات میں علمائے اہلسنت کے قیمتی اقوال

چھٹا باب

۱۴۲ ایمان ابوطالب کے بارے میں ان کے متعلقین و معتقدین کی ولیات

ساتواں باب

۱۴۹ ایمان ابوطالب کا اثبات کرنے والے مؤلفین

آٹھواں باب

۱۸۵ حضرت ابوطالب کی شان میں مدحیہ اشعار

نواں باب

۱۹۷ ایمان ابوطالب کے متعلق غلطیہاے مضامین

۱۹۹

۲۵۳

تفسیر قرآن میں غلط بیانی
 نقل حدیث میں غلط بیانی

اسلام، اس کی صحیح تعلیم اور پیغمبر اسلام کے دفاع میں گزارا۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے قبیلے یعنی قریش کا غصہ مول لیا، طعنے برداشت کیے اور شعب ابوطالب کی سختیاں اور تکلیفیں اٹھائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی وہ نئی اور انقلابی تحریک جو رسول اکرم کی رہنمائی میں چل رہی تھی شعب ابوطالب کا واقعہ اس کے خلاف قریش کی جانب سے بیک وقت سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی دباؤ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ان مشکل حالات میں حضرت ابوطالب نے مختلف مواقع پر نظم و نثر میں رسول اکرم کی حمایت کا اعلان کیا اور اپنے بیٹوں (علیؑ و جعفرؑ) کو آنحضرت کے ہمراہ رہنے کی ترغیب دی۔ ان مختصر انہوں نے اپنی زندگی کا تمام سرمایہ — اسلام اور پیغمبر اسلام پر اس لیے نچھا کر دیا کہ وہ اسلام کی حقانیت سے آگاہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بھی اپنے فرزندوں اور اہل خاندان کو رسول اکرم کی حفاظت اور حمایت کرنے کی وصیت کی۔ پھر ان کی وفات پر (جو ام المومنین خدیجہؓ کی وفات سے تقریباً متصل تھی) رسول اکرم کو اتنا دکھ ہوا کہ انھوں نے اس سال کو عَامُ الْحُزْنِ (غم کا سال) قرار دیدیا تھا۔

ان تمام روشن ترامور کے باوجود حضرت ابوطالب کو مشرک کہا جاتا ہے! اس تہمت کی تائید تاریخ کی ایک حیرت انگیز سازش سے ہوتی ہے! پھر اس تہمت کو ثابت کرنے کے لیے بطور دلائل آیات قرآن اور احادیث رسولؐ بھی پیش کی جاتی ہیں!

اگر ہم تاریخی تجزیہ پیش کرنا چاہیں تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ تہمت لگانوالوں اور روایتیں گھڑنے والوں کی نگاہ میں حضرت ابوطالب کی حیثیت ایک

غیر معمولی انسان کی نہیں کہ ان کا کفر و ایمان یا شرک و توحید قابل توجہ ہو، بلکہ انہیں کافر کہا جاتا ہے تو اس لیے کہ وہ علی مرتضیٰؑ کے والد بزرگوار ہیں۔ کیونکہ یہ ایک قدرتی امر ہے کہ اگر باپ پر ضرب لگائی جائے تو اس کی تکلیف بیٹے کو بھی ہوتی ہے۔ پس اس تمام تہمت اور افتراء کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ حضرت ابوطالب کے ایمان کو مشکوک قرار دے کر یا ایک اور قدم آگے بڑھا کر اور انہیں کافر قرار دیکر علی مرتضیٰؑ کو اس حملے کا ہدف بنا لیا جائے!

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس کی صحت اس وقت واضح ہو جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہی تاریخ، یہی مورخین اور یہی روایتیں لانے والے کہ جو حضرت ابوطالب کے بارے میں یہ فیصلہ دیتے ہیں — وہ ان لوگوں کے باپوں کے بارے میں خاموش ہیں جو امام علیؑ کی زندگی میں ہمیشہ ان کے مقابل آتے رہے ہیں — حقیقت اور حق طلب انسانوں کی شہادت کے مطابق وہ امام علیؑ کے وجود کے سورج کی تابناک شعاعوں کے سامنے ہمیشہ موم کی طرح گچھلتے رہے ہیں۔ ہاں تو یہی روایتیں جوڑنے والے ان کے اسلام و ایمان کے بارے میں روایتیں بیان کرتے ہیں اور یہی مورخین ان کی فضیلتیں بیان کرتے ہیں۔ اس تاریخ میں اور ان مورخین کے ہاں یہ ظفر دریاں تو دیکھنے میں آتی ہیں لیکن قوم قبیلے اور فرقے کے تعصب سے بالاتر یہ کراصلی تاریخی واقعات کا تجزیہ اور پھر غیر جانبدارانہ فیصلہ نظر نہیں آتا۔ اس کے مقابلے میں علامہ امینی کی خاص خوبی اور ان کا بڑا کمال یہی ہے کہ انہوں نے کمل غیر جانبداری سے کام لیتے ہوئے تاریخی

مؤلف کے مختصر حالات

علامہ امینی

(ماخوذ از الغدیر ضمیمہ جلد اول)

علامہ شیخ عبدالحسین (امینی) — شیخ احمد کے فرزند اور شیخ نجف قلی ملقب 'امین الشریع' کے پوتے ہیں۔ آپ کے نام میں 'امینی' کا لاحقہ اپنے انہی جد بزرگوار کی نسبت سے آیا ہے۔ علامہ امینی نے ۱۳۳۱ھ میں تہریز کے ایک دینی و علمی گھرانے میں ایک عالم اور زاہد باپ کے زیر سایہ اس دنیا میں آنکھ کھولی۔ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت علم و دانش کے حصول کی طرف راغب تھی اور آپ غیر معمولی ذہانت اور قوی حافظے کے مالک تھے۔

انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور پھر مدرسہ طالبیہ میں داخل ہوئے، جو شروع سے آج تک تہریز کے ممتاز علمی مراکز میں شمار ہوتا ہے۔ اس درسگاہ میں انہوں نے — سطحیات و منقدمات فقہ و اصول — آیت اللہ سید محمد بن عبدالکریم موسوی عرف مولانا آیت اللہ سید مرتضیٰ بن احمد

واقعات کی تحلیل کا عظیم الشان کام انجام دیا اور شریک ابوطالب جیسی تمام نہمتوں کا حقیقت پسندانہ جواب دیا ہے۔

بہر حال ایک کتاب کو اپنا تعارف خود کرنا چاہیے، لہذا ہم اس گفتگو کو مختصر کرتے ہوئے اپنے اس بیان کے اختتام پر محض چند نکات کا تذکرہ کرتے ہیں:

۱۔ اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ کتاب کا ترجمہ آسان اور اردو خوان حضرات کے لیے قابل فہم ہو۔

ب۔ بعض ایسے اشعار حذف کر دیے گئے ہیں جن کا متن اور اصلی بحث سے تعلق نہ تھا۔ جو محققین اور شائقین وہ تمام اشعار پڑھنا چاہتے ہوں انہیں چاہیے کہ اس کتاب کے اصل عربی متن سے رجوع کریں۔

ج۔ اگرچہ ترجمہ کرنے میں علمی دیانت کے ساتھ پوری کوشش کی گئی ہے کہ ترجمہ اصل متن کے مطابق ہو، پھر بھی ہمارا یہ دعویٰ نہیں کہ ترجمے میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے صاحب نظر اور علم دوست حضرات کی طرف سے تعبیری تنقید اور مناسب رہنمائی کا انتظار کیا جائے گا۔



بن محمد حسینی خسر و شاہی، آیت اللہ شیخ حسین بن عبدعلی تو توپنجی اور علامہ شیخ مرزا علی اصغر ملکی جیسے علماء سے پڑھے۔

ان علوم کی تحصیل کے بعد علامہ امینی نے نجف اشرف جانے اور باب مدینہ علم، امام علی علیہ السلام کے قرب میں رہ کر زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقدس شہر میں آکر انہوں نے — آیت اللہ سید محمد بن محمد باقر حسینی ذیروزاباوی آیت اللہ سید ابوتراب بن ابوالقاسم خوانساری آیت اللہ مرزا علی بن عبدالحسین ایزدانی اور آیت اللہ مرزا عبدالحسین مشکینی جیسے اساتذہ سے فیض حاصل کیا اور انہی کی توجہات کے تحت درس خارج کے مرحلے تک پہنچ گئے۔

ان بزرگ استادوں سے مختلف علوم حاصل کرنے کے بعد — علامہ امینی تبریز واپس چلے گئے اور وہاں احادیث رسول اور اخبار اہل بیت کی روشنی میں درس قرآن دینے لگے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے مطالعہ تحقیق اور تالیف کا کام بھی شروع کر دیا۔ کچھ ہی عرصے کے بعد اس محنت کا بہترین ثمرہ ان کی نفیس کتاب ”تفسیر فاتحۃ الكتاب“ کی شکل میں سامنے آیا، جو ابلاغ علوم آل محمد کے مقدس میدان میں ان کا پہلا قدم تھا۔ اس کتاب کی افادیت کا یہ عالم تھا کہ خود علامہ موصوف بھی اپنے حلقہ درس میں یہی کتاب پڑھاتے تھے۔

ابھی کچھ زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ علامہ امینی نے محسوس کیا کہ ان کی بیتاب روح ان معمولی کاموں سے سیر نہیں ہو سکتی اور وہ ان کو تقدس اور عظمت کے مرکز یعنی نجف اشرف کی جانب چلنے پر مجبور کر رہی ہے تاکہ وہ علوی علوم و معارف کے سرچشمے سے سیراب ہو اور پھر اس شہیر پر داز کے ذریعے علم و حکمت کے آسمانوں کی سیر کرے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دوبارہ اس مقدس شہر میں آگئے اور

یہیں سکونت اختیار کر لی۔

چنانچہ اس مقدس شہر میں علامہ امینی کو اپنی مطلوبہ متاع مل گئی اور یہاں کے عالی مرتبت علماء کی خدمت میں حاضرہ کران کی پیاسی روح سیر و سیراب ہو گئی۔ جیسا کہ انہوں نے فلسفہ و کلام میں بلند مرتبہ حاصل کیا اور فقہ و اصول میں اجتہاد اور تبیح کے مقام تک جا پہنچے۔ اس مرحلے پر انہوں نے جن استادوں سے فیض حاصل کیا ان میں سے چند بزرگوں کے نام یہ ہیں:

سید مرزا حسن شیرازی المعروف بہ مجدد کے فرزند — آیت اللہ سید مرزا علی، گرانہما کتاب تہذیب الامتہ و تنزیہ الملتہ کے مولف، آیت اللہ مجاہد شیخ مرزا حسن نائینی حوزہ علمیہ قم کے بانی — آیت اللہ شیخ عبدلکریم حائری یزدی، آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی، آیت اللہ شیخ محمد حسین بن محمد حسن اصفہانی کمپانی اور آیت اللہ شیخ محمد حسین آل کاشف الغطار وغیر ہم کہ جو سب کے سب اسلامی علم و دانش کے متبحر عالم تھے اور جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں قومی تحریکات کی بنیاد رکھی۔

اجازۃ روایت

رسول اکرم کے اہلبیت کی احادیث کے حامل اشخاص کے زمرے میں شامل ہونے، حضرت رسول و امیر المؤمنین امام علی کے معارف بیان کرنے والوں کے سلسلے سے تعلق قائم کرنے اور بعد میں آنے والوں سے ان علوم کا تعلق منقطع ہونے کی روک تھام کرنے کا اہم فریضہ اور عظیم شعی و اسلامی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے لیے علامہ شیخ عبدالحسین امینی نے جن بزرگوں سے اجازات

روایت حاصل کیے ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

- ۱— مرحوم آیت اللہ سید مرزا علی حسینی شیرازی
- ۲— مرحوم آیت اللہ سید ابوالحسن اصفہانی
- ۳— مرحوم آیت اللہ شیخ علی اصغر ملکی تبریزی
- ۴— مرحوم آیت اللہ سید آقا حسین قمی
- ۵— مرحوم حجتہ الاسلام شیخ علی بن ابراہیم قمی
- ۶— مرحوم شیخ محمد علی غروی اردوبادی
- ۷— مرحوم شیخ آقا بزرگ نہرانی
- ۸— مرحوم شیخ مرزا یحییٰ بن اسد اللہ خونی لہ

زہد و عبادت

درجہ اجتہاد پر فائز ہونے کے بعد — علامہ امینی تدریس اور تحقیق میں مشغول ہو گئے۔ ان کے دن رات اکثر مطالعہ کرنے اور اسلامی علمی میراث سے بہرہ مند ہونے میں گزرتے۔ حتیٰ کہ انہوں نے فلسفہ و کلام، تفسیر، حدیث، تاریخ اور رجال میں ید طولیٰ حاصل کیا۔ اس دوران میں علامہ نے حیرت انگیز حد تک زہد اختیار کیا اور دنیاوی ماں و دولت کی طرف کبھی توجہ نہ دی۔ وہ ہمیشہ ان آیات قرآنی کی تلاوت فرماتے تھے جن میں دنیا کی فانی زندگی کی خرابیاں بیان کی گئی ہیں اور اس طرح اپنے آپ کو اپنے اہل خاندان کی

لہ ملاحظہ ہو کتاب ”آقا بزرگ نہرانی“ مؤلف استاد محمد رضا حکیمی۔

دوستوں، شاگردوں اور ہم نشینوں کو وعظ فرماتے تھے۔ علامہ امینی کو قرآن مجید اور دعائیں پڑھنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ وہ رات کو اٹھ کر نماز شب ادا کرتے اور اس عبادت کو نماز صبح تک جاری رکھتے تھے۔ وہ ہر روز نماز کے بعد بڑے غور و فکر کے ساتھ قرآن مجید کے ایک پارے کی تلاوت کرتے اور اکثر و بیشتر حرم امیر المؤمنینؑ کی زیارت کرتے تھے۔ اس مقدس حرم میں حاضری کے وقت ان پر بے حد حضور و خشوع طاری ہو جاتا تھا۔ چنانچہ جب وہ خاص مرقدا میر المؤمنینؑ کے نزدیک ہوتے تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی وہ جھری لگتی کہ جس سے ان کی ڈاڑھی بھیگ جاتی تھی۔ اسی طرح بسا اوقات وہ حرم امام حسینؑ کی زیارت بھی کرتے اور اس کے لیے پاپیادہ کر بلا جاتے تھے۔ پھر راستے میں ان کے قریبی کئی ایک دوست بھی ان کے ساتھ ہولیتے اور ان کا یہ پیدل سفر تین دن اور کبھی اس سے زیادہ دنوں تک جاری رہتا تھا۔ اس بابرکت سفر کے دوران وہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور لوگوں کی ہدایت سے لحظہ بھر کے لیے بھی غافل نہیں ہوتے تھے۔ جب وہ سید الشہداء علیہ السلام کے حرم شریف پر پہنچتے تو والہانہ انداز میں زیارت کے لیے بڑھتے، جبکہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے چھلک پڑتی تھیں۔ ان کی اس طرح کی زیارتیں انہیں کے لیے مخصوص تھیں اور زیارت کے وقت حضور و خشوع اور بے خودی میں کوئی بھی شخص ان کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔

ماہ رمضان المبارک میں خواہ ان کے کتنے ہی اہم کام ہوتے وہ انہیں روک دیتے اور روزہ داری اور عبادت کے لیے نجف میں رہتے یا کر بلا چلے جاتے تھے۔ وہ اس پاک مہینے میں پندرہ مرتبہ قرآن مجید کا

دور کرتے تھے۔ ان میں سے چودہ ختم قرآن کا ثواب چہارہ معصومین کو دیا کرتے اور ایک ختم قرآن کا ثواب اپنے والد کو ایصال کرتے تھے۔ اپنا یہ حسن عمل انہوں نے اپنی زندگی کے آخری سال تک انجام دیا اور یوں قرآن و اہلبیتؑ سے تمسک کی ایک زندہ مثال چھوڑ گئے۔

ایسے ایسے اہم امور میں مصروفیت انہیں حاجتمندوں کے بارے میں معاشرتی ذمہ داریاں پوری کرنے سے باز نہیں رکھتی تھی اور وہ کسی سائل اور محتاج کو مایوس نہیں کرتے تھے۔ وہ لوگوں کے رنج و غم میں شریک رہتے اور خود کو سختی میں ڈالتے تھے تاکہ بیکسوں اور محتاجوں کے حالات معلوم کریں۔ پھر ان سے جہاں تک ممکن ہوتا وہ ان کی مشکلات دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

تالیفات اور تحقیقات

بزرگوار علامہ امینی نے اپنی تمام عمر مطالعہ، تحقیق اور تالیف میں گزاری انہوں نے اپنی ان کاوشوں کے نتیجے میں مندرجہ ذیل کتابیں بطور یادگار چھوڑی ہیں:

۱۔ تفسیر صوفیۃ فی تفسیر القرآن: یہ کتاب سورۃ فاتحہ کے بارے میں ہے اور اس کی دو تفصیلیں ہیں۔ پہلی فصل اس سورے کی تفسیر پر مشتمل ہے اور دوسری فصل میں سورے کی تخیلیں، نیز توجیہ، قضا و قدر اور جبر و اختیار کے منافیہ کی وضاحت کی گئی ہے جو ستر نامہ رسول اکرمؐ اور ائمہ اطہارؑ کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ یہ قابل قدر کتاب ۱۳۹۵ھ میں تہران میں طبع ہوئی۔

۲۔ شہداء الفضیلۃ: یہ نئے موضوع اور قیمتی مندرجات کی حامل ایک تاریخی کتاب ہے۔ اس میں چوتھی سے چودھویں صدی ہجری تک کے ایک سو تیس علماء حق کے حالات زندگی درج ہیں جو علویت اہلبیتؑ میں جانیں دے کر درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ یہ کتاب ۱۳۵۵ھ میں نجف میں چھپی اور پھر "شہیدانِ راہِ حق" کے نام سے اس کا فارسی میں ترجمہ بھی شائع ہوا۔

۳۔ کامل الزیارات: یہ شیخ ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولوبہ (متوفی ۳۶۷ھ) کی تالیف ہے جسے علامہ امینی نے ۱۳۵۶ھ میں تحقیق و تطبیق کے بعد نجف میں طبع کرایا۔

۴۔ ادب الزائر لمن یحتم المحاسن: یہ کتاب سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کے روزہ مطہرہ کی زیارت کرنے والوں کے لیے ہے اس میں اہلبیت علیہم السلام کے فرامین کی روشنی میں آداب زیارت کا تعین کیا گیا ہے۔ علامہ امینی کی یہ کتاب ۱۳۶۲ھ میں نجف سے شائع ہوئی۔

۵۔ سیرتینا و سنتنا: علامہ امینی نے اپنی اس کتاب میں ان ائمہؑ اور ابرادات کا جواب دیا ہے جو حنفی مکتب فکر کی طرف سے شیخ مسلمانوں کی خاندانِ رسولؐ سے محبت اور عزاداری حسینؑ کے مراسم میں ان کے غلو وغیرہ کے بارے میں کیے جاتے ہیں۔

علامہ نے اس کتاب میں رسول اکرمؐ سے منقول ایسے چوبیس حزنہ کلمات جمع کیے ہیں جو آنحضرتؐ نے مختلف مواقع پر حتیٰ کہ امام حسینؑ

کی شیرخواری کے زمانے میں بھی فرمائے ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۸۴ھ میں نجف میں چھپی۔ اس کے بعد ”راہ و روش ما“ کے نام سے اس کا فارسی ترجمہ بھی ہوا۔

۶۔ تعلیقات مکاسب : علامہ امینی نے شیخ مرتضیٰ انصاری کی تالیف کردہ کتاب ”مکاسب“ کی تفہیم کے لیے اس پر تعلیقات لکھیں۔

۷۔ تعلیقات رسائل : علامہ امینی نے شیخ مرتضیٰ انصاری کی تالیف کردہ کتاب کی تسہیل کے لیے تعلیقات رسائل لکھیں۔

۸۔ المقاصد العلیہ فی المطالب السنۃ

۹۔ ریاض الانس

۱۰۔ رجال آذربائیجان : اس کتاب میں آذربائیجان کے ۲۳۴ عالموں اور بہوں اور شاعروں کے حالات زندگی درج ہیں۔

۱۱۔ ثمرات الاسفار : اس کتاب میں علامہ نے اپنے ہندوستان اور شام کے سفر اور ان کے ذریعے حاصل ہونے والے علمی فوائد کی تفصیل بیان کی ہے۔

۱۲۔ العترة الطاهرة فی الکتاب العزیز۔ یا۔ الایات التاخذ فی العترة الطاهرة

۱۳۔ الغدیر : علامہ موصوف کی آخری اور زندہ جاوید تصنیف ”الغدیر“ ہے اور درحقیقت یہی کتاب ان کی عمر بھر کی تلاش و جستجو کا حاصل اور ان کی علمی خدمات کا شاہکار ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ”الغدیر“ علامہ امینی کی وہ تالیف ہے جس

سے ان کی تخلیقی صلاحیت، زبان و بیان میں مہارت، بے تکان مشقت اور اپنے ہدف تک پہنچنے کے لیے تکالیف اٹھانے کی دافرہمت کا ثبوت ملتا ہے۔ نیز اس بلند پایہ کتاب سے ان کی اعلیٰ علمی قابلیت اور تصنیف تالیف میں ان کی حیرت انگیز ہنرمندی اور مہارت کا پتہ چلتا ہے۔

علامہ امینی نے اپنی عمر عزیز اس جاودانی تصنیف کے لیے وقف کر دی اور پھر اس کی بدولت انہیں ایک ”نیا جنم“ اور نئی شخصیت نصیب ہوئی۔ اس کتاب کی تالیف کی خاطر انہوں نے ہزاروں کی تعداد میں مطبوعہ اور قلمی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے اس مقصد کے حصول کے لیے بے حد محنت کی تاکہ اپنے زمانے اور اس کے بعد ہر زمانے کے انسانوں کے سامنے ”الغدیر“ کی صورت میں ایک شمع روشن کر جائیں۔

اس کتاب کی تالیف کی خاطر انہوں نے درس و وعظ کا سلسلہ بند کر دیا اور سب کچھ چھوڑ کر دن رات میں سولہ گھنٹے اپنے کتب خانے میں لکھنے پڑھنے اور تحقیقی کام کرنے کے لیے مخصوص کر رکھے تھے تاکہ ”الغدیر“ کو خلعت و حجب سے مزین کر دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کام عام انسانوں کی قوت اور ہمت سے بالاتر ہے لیکن ایک ایسا میدان کہ جو ایک زندہ جاوید کارنامہ انجام دینے کے لیے آگے آیا ہو، اسے ان تکلیفوں کی کیا پروا! چنانچہ ”الغدیر“ کی تالیف کے دوران بجز ایسے مواقع کے جب علامہ امینی اپنے راستے کی کوئی مشکل حل کر لیتے تھے، انہیں خوش و خرم دیکھنا ممکن نہ تھا۔ یوں انہوں نے بلند ترین انسانی قدروں کی حفاظت کی خاطر اپنی زندگی کے تقریباً پچاس سال قربان کر دیے۔

علامہ امینی نے الغدیوکی تصنیف کے لیے ضروری مطالعہ کے دوران نجف کے تمام مشہور کتب خانے کھنگال ڈالے اور اس سلسلے میں بہت تکالیف اٹھائیں۔ حتیٰ کہ بعض مشکلات کی بنا پر وہ ایک طویل مدت تک نجف کے حسین کتب خانے میں رات سے صبح تک مطالعے، تحقیق اور تحریر میں مشغول رہتے تھے اور دن کو اپنے کتب خانے میں بھی مسلسل مصروف کار رہتے تھے۔ نجف کے کتب خانوں سے مستفید ہونے کے بعد علامہ امینی نے عراق کے دیگر کتب خانوں سے مواد فراہم کرنے کے لیے مسافرت اختیار کی اور اس دوران میں کربلا، سامرا، بغداد، حلہ اور بصرہ کے بیشتر کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ تاہم جس بلند ہمت بزرگوار نے واقعہ غدیر کے اثاثوں کی حفاظت کے میدان میں قدم رکھا تھا، اس کے لیے یہ محدود معلومات قطعی طور پر ناکافی تھیں۔ لہذا وہ ایک طویل سفر پر روانہ ہو گئے اور اس کے لیے وہ سب سے پہلے ایران آئے، جہاں انہوں نے مشہد، تہران، بروجرد لہ اور کرمانشاہ لہ کے علمی کتب خانوں سے استفادہ کیا۔

پھر علامہ ہندوستان گئے جہاں انہوں نے لکھنؤ، رامپور، پٹنہ اور حیدرآباد میں موجود علمی کتب خانوں سے استفادہ کیا اور اپنی کتاب

لہ علامہ امینی نے بروجرد میں آیت اللہ بروجردی کے کتب خانے سے استفادہ کیا، جو ان ایام میں وہاں مقیم تھے۔

لہ کرمان شاہ میں علامہ امینی کو آقا حیدر علی خاں سردار کابلی کے کتب خانے سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔

الغدیر کے لیے تحقیق و تدقیق کے اہم کام کے ساتھ ساتھ وہاں کے لوگوں کے رشد و ہدایت کے لیے بھی برابر سعی و کوشش فرمائی۔

اس کے بعد ۱۳۸ھ میں آپ شام گئے جہاں آپ نے دمشق اور حلب کے کتب خانوں سے معلومات حاصل کیں۔ اس سے تین سال بعد ۱۳۸ھ میں علامہ امینی ترکی تشریف لے گئے اور مطالعہ و تحقیق کی خاطر یہاں کا آخری سفر تھا۔ اس ملک میں انہوں نے استنبول، بورسا اور خان وغیرہ کے علمی و اسلامی کتب خانوں میں مختلف موضوعات کی کتابیں دیکھیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس طویل علمی سفر میں علامہ امینی نے بہت سی گراں بہا کتابوں کی متعدد نقول تیار کرائیں۔ اگر وہ ان کتابوں کی طرف توجہ نہ دیتے تو عین ممکن تھا کہ یہ یکسر معدوم ہی ہو جاتیں اور یہ عمل علمی سرمایہ آئندہ نسلوں کے لیے باقی نہ رہتا۔

ترکی کا مطالعاتی دورہ مکمل کر لینے کے بعد علامہ امینی نجف واپس آگئے اور وہاں مکتبۃ الامیر المؤمنین العائمہ کے قیام اور اجراء کے کام میں مصروف ہو گئے۔ یہ مکتبہ نجف میں آج بھی موجود ہے اور بہترین علمی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اسکے لیے علامہ نے بہت سے قدیم علمی نسخوں کی مائیکرو فلمیں بھی تیار کرائی تھیں، تاکہ وہ موسمی اثرات سے پیدا ہونے والی خرابیوں سے محفوظ رہیں۔

ہاں مگر ادھر تو علامہ امینی مذہب و ملت کے لیے ایسی ایسی شاندار خدمات انجام دے رہے تھے اور ادھر ان کی زندگی کی شمع گل ہونیوالی تھی۔ کیونکہ بیماری نے ان پر پوری شدت کے ساتھ غلبہ پالیا تھا۔ لہذا

چھاگئے۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور مجالس عزابریا کی گئیں۔
 علامہ امینی نجف اشرف میں اس بگڑے مدفون ہیں جو انہوں نے خود
 اپنی زندگی میں اپنے لیے منتخب کی تھی۔ لیکن:
 ہرگز نمیرد آن کہ دلش زندہ شد بعشق
 ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما



انہوں نے طے کیا کہ کتاب الغدیر کے وہ حصے جو ابھی کتابت شدہ مسودے
 کی شکل میں تھے اور ان کی طباعت ہونا تھی، ان کی پروف ریڈنگ کا
 کام اپنے فرزند کے سپرد کر دیں۔ چنانچہ یہ کام آپ کے گھر میں اور اس
 ہسپتال میں جہاں آپ داخل تھے۔ برابر جاری رہا اور دو سال میں
 مکمل ہو گیا۔ حتیٰ کہ اس روشن شمع کے نکل ہونے کا وقت قریب آپہنچا
 اور ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ بروز جمعہ ان کی حالت تشویشناک ہو گئی۔ اپنی
 زندگی کے ان آخری لمحات میں انہوں نے خواہش کی کہ پانی میں خاکِ شفا
 ملا کر اس سے ان کا حلق ترک کیا جائے۔ نیز ان کے پاس دعائے عبدیلہ
 پڑھی جائے، جسے سن کر وہ خود بھی آہستہ آہستہ پڑھتے رہیں۔ پھر فرمایا کہ
 امام سجادؑ کی کچھ دعائیں انہیں پڑھ کر سنائی جائیں۔ اسی طرح ذکر و تلاوت
 کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ ظہر کی اذان کا وقت قریب آ گیا۔ تب
 علامہ نے بولنا شروع کیا اور ان کے آخری الفاظ یہ تھے:

”اے پروردگار! یہ سکرات موت کی کیفیت ہے جو مجھ
 پر طاری ہو گئی ہے۔ پس میری جانب توجہ فرما اور مجھے
 شمل کی وہی قوت عطا فرما جو تو اپنے صالح بندوں کو
 دیا کرتا ہے۔“

ابھی — یہ دعا ختم نہیں ہوئی تھی کہ انہوں نے داعی اجل کو
 لبیک کہا اور ان کی روح ملکوت اعلیٰ کی جانب پرواز کر گئی۔ یوں حق کے
 اس عالی ہمت پاسدار کی زندگی کا دفتر اپنے صفحہ آخر پر جا ختم ہوا۔
 علامہ امینی کی وفات سے اسلامی ممالک پر رنج و غم کے سیاہ بادل

پہلا باب

حضرت ابوطالبؑ
کے
اقوال اور اشعار



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حضرت ابوطالبؑ پر خدا کا سلام ہو۔ ہم یہاں ان کے موتیوں جیسے وہ دلربا اشعار بطور نمونہ نقل کرتے ہیں جو حدیث، تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔

حضرت ابوطالبؑ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے لیے کچھ اشعار کہے ہیں۔ انہوں نے اپنے ان اشعار میں اسے اچھی ہمسانگی کا حق ادا کرنے اور ان مسلمانوں کی حفاظت کرنے کی ترغیب دلائی ہے، جو مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

نیک اور برگزیدہ لوگ جانتے ہیں کہ محمدؐ — موسیٰؑ اور مسیح ابن مریمؑ کے ارث اور جانشین ہیں اور ہمارے لیے وہی ہدایت بطور تحفہ لائے ہیں جو وہ دونوں لائے تھے۔

کیونکہ وہ سب خدا کے حکم سے راستہ دکھاتے ہیں اور بندوں کا اس

سے رشتہ جوڑتے ہیں۔ ہاں تم (مسیحی) اپنی کتابوں میں ان (محمدؐ) کے اصناف پڑھتے ہو، وہ کوئی جھوٹی کہانی نہیں، ایک سچی خبر ہے۔

(اے نجاشی) تم ایک ایسے شخص ہو کہ محمدؐ کی امت کے افراد جب بھی تمہارے پاس پہنچے، وہ تمہاری تعریف و توصیف کرتے ہوئے واپس آئے اور کوئی بری یاد لے کر نہیں آئے۔ لہ

حضرت ابوطالبؓ ایک اور قصیدے میں فرماتے ہیں:

اس فتح اور نصرت کے وقت غالب لوی اور تیم کے سرداروں سے کہہ دو کہ (محمدؐ کے خلاف) قوم کے اس بے فائدہ ہنگامے میں ہم (بنی ہاشم) خدا کی تلواریں ہیں اور ہم ہر بڑائی اور بزرگی کے حامل ہیں۔

کیا تم نہیں جانتے کہ تعلق منقطع کر لینا — بہت بڑا گناہ، بہت بڑی الجھن اور بے وقوفی کا کام ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ کل کو انسان کے ظاہری و باطنی کمال کا راستہ روشن ہو جائے گا؟ دھوکہ نہ کھانا کہ دنیا کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں۔

پس ایسا نہ ہو کہ محمدؐ کے بارے میں تمہارے یہ پریشان خواب تمہیں حماقت تک لے جائیں اور ایسا نہ ہو کہ تم پست اور گمراہ لوگوں کے پیرو بن جاؤ۔

تمہاری آرزو تھی کہ اس (محمدؐ) کو قتل کر دو، حالانکہ تمہاری یہ آرزو پریشان خوابوں کی طرح بے سرو پانھی۔

تم نے یہ سمجھا کہ ہم (بنی ہاشم) محمدؐ کو تمہارے حوالے کر دیں گے اور تمہارے مقابلے پر آکر اس کا دفاع نہ کریں گے۔

(جان رکھو کہ) وہ ایک ایسا پیغمبر ہے جس پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے جو کوئی اس کی دعوت کا جواب نہ دے گا، وہ آخر کار پیشانی کے مارے دانت سے دانت کاٹے گا۔

(دیکھو تو سہی کہ) اصل اور تسب کا ہاشمی اس پیغمبرؐ کا طواف کر رہا ہے۔ جو اس پر زیادتی کرنے والے ہر ظالم کو مار بھگا تا ہے۔ لہ ایک صحیفہ کہ جس کا ہم عنقریب ذکر کریں گے، آپ اپنی ایک نظم میں اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ قبیلہ ”لوی“ اور خصوصاً اس قبیلے کی شاخ — بنی کعب تک پہنچا دو!

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم محمدؐ کو موسیٰؑ کی مانند ایک ایسا رسول سمجھتے ہیں جس کا تعارف پیشتر نازل ہونے والی آسمانی کتابوں نے کر لیا ہے اور اس کے لیے لوگوں کے دلوں میں محبت ہے۔

یہ جائزہ نہیں کہ جس شخص کو خدا نے دوستی کے لیے چن لیا ہو اس پر ظلم کیا جائے۔

خبردار! خبردار! اس سے پیشتر کہ درندوں کا گڑھا یعنی قبر کھودی جلتے اور گنہگار کی طرح بے گناہ کا بھی حساب کتاب ہو۔

ایسا نہ ہو کہ رشتہ داری اور نزدیکی کے بعد تم ہمارے ساتھ باندھے ہوئے پیمان کو بھلا دو اور باغیوں اور ظالموں کے فرمانبردار بن جاؤ۔ پس میں خدا کے گھر کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہم احمد (محمد رسول اللہ) کو دشمن کے حوالے نہیں کریں گے۔ اگرچہ ہمیں سختی اور زمانے کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے۔

کیا ہاشم ہمارا باپ نہ تھا کہ جس نے سامان جنگ فراہم کیے رکھا اور اپنے فرزندوں کو تیغ زنی کی وصیت کی تھی؟ یہی وجہ ہے کہ ہم ہرگز جنگ کی تھکن اور تکلیف کو محسوس نہیں کرتے اس لیے میدان نہیں چھوڑتے۔

ہم پریشانی اور مصیبت کی حالت میں ثابت قدم رہتے ہیں اور اوایلا نہیں کرتے، بلکہ جس وقت بڑے بڑے دلاور لوگ بھی خوف کے مارے جی بار بیٹھتے ہیں، ہم اس وقت اپنے شعور اور غیرت کے ساتھ جنگ میں جھے رہتے ہیں۔

ان کے استعار میں سے چند ایک یہ ہیں:

افسوس کہ رات کے آخری حصے میں عہد نے مجھے بے اختیار کر دیا اور

۱۔ سیرت ابن ہشام جلد ۳ صفحہ ۳۷، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۳۱۳، بلوغ الارب جلد ۲ صفحہ ۳۲۵، خزائن الادب بغدادی جلد ۳ صفحہ ۲۶۱، روض الالف جلد ۲ صفحہ ۲۲۰، تاریخ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۷۸، سنی المطالب صفحہ ۶-۱۳، طلبتہ الطالب صفحہ ۱۰۔

وہ مجھے دبائے جا رہا ہے، حالانکہ (امید کا) ستارہ ابھی نہیں ڈوبا۔ اس غم نے مجھے اس وقت آدبا یا جب کہ بہت سی آنکھیں سو گئی تھیں اور جو لوگ ہمیں سوتے وہ قصے کہانیاں سننے سنانے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ قصے ان لوگوں کے پریشان خوابوں کے بارے میں تھے جو محمد پر قابو پانا چاہتے تھے، تاکہ ان پر ظلم کریں۔ لیکن جو کوئی زیادتی سے پرہیز کرے وہ خود ظلم میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

انہوں نے احمقانہ کوشش کی اور ان کی بد اعمالی ایک بے بنیاد اور خیالی مقصد میں ان کی رہنمائی گئی۔

وہ ہم سے ایک بڑے کام — یعنی محمد کو ان کے حوالے کرنے کی توقع رکھتے ہیں، حالانکہ یہ کام تلوار، نیزے اور جنگ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

وہ توقع رکھتے ہیں کہ ہم اپنے نیزے خون میں رنگے بغیر یعنی عاجزی سے محمد کے قتل کیے جانے پر رضامند ہو جائیں گے۔

پس اے نبی فخر، خردار رہنا کیونکہ ابھی تک ان قتل ہونیوالوں کی فریاد بلند نہیں ہوئی جو رنج، غم اور پشیمانی کے ساتھ داویلا کرتے ہیں۔ غور کرو کہ یہ عذر اور یہ سلسلہ جنیابی تمہارے ہی فائدے کے لیے ہے کیونکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سلسلہ جنیابی ہم تم میں ہونے والی جنگ کا سدباب کر دے۔

ایک اور نظم میں رسول اکرمؐ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خدا کی قسم! اپنی کثیر تعداد اور قوت کے باوجود وہ آپ پر پرگز قابو نہ پاسکیں گے، وہ صرف اس وقت آپ پر قابو پاسکتے ہیں کہ میں جان قربان کر کے دفن ہو جاؤں۔

پس اپنی دعوت کو ظاہر کیجیے کیونکہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو عیب یا شرم کا باعث ہو۔ ہاں آپ اپنی دعوت کے ساتھ لوگوں کو خوشخبری دیجیے اور ان کی آنکھوں کو روشن کیجیے۔

آپ نے مجھے دعوت دی اور میں سمجھ گیا کہ آپ میرے ناصح ہیں، ہاں تو آپ نے مجھے حق کی طرف بلایا اور اس دعوت میں آپ ایمن تھے۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ محمدؐ کا دین ان بہترین ادیان سے ہے جو لوگوں نے قبول کیے ہیں۔

یاد رہے کہ قرطبی اور ابن کثیر نے مندرجہ بالا اشعار پر اس شعر کا اضافہ کیا ہے: اگر بدگونی اور ملامت کا ڈر نہ ہوتا تو تم مجھے محمدؐ کے مذہب کے

۱۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۲، خزائن الادب بغدادی جلد ۱ صفحہ ۲۶۱
شرح نیج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۳۰۶، تاریخ ابی الفداء جلد ۱
صفحہ ۱۲، فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۵۳-۱۵۵، الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۱۱۶، مواہب لذیہ
جلد ۱ صفحہ ۶۱، سیرت حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۵، دیوان ابوطالب صفحہ ۱۲
طلبتہ الطالب صفحہ ۵، بلوغ الارب جلد ۱ صفحہ ۳۲۵، سیرت النبویہ زینبی
دحلان جلد ۱ صفحہ ۹۱-۲۱۱، اسنی المطالب صفحہ ۶

بارے میں علانیہ درگزر کرنیوالا مہربان پاتے۔

اس بارے میں احمد زینبی دحلان اپنی کتاب اسنی المطالب کے چودھویں صفحے پر کہنا ہے:

کہا جاتا ہے کہ یہ شعر وضعی ہے، اسے حضرت ابوطالبؑ سے منسوب کیا گیا ہے اور یہ ان کا کلام نہیں ہے۔

زیر نظر کتاب کے مؤلف علاء امیلیتی کہتے ہیں:

فرض کیجیے کہ آخری شعر حضرت ابوطالبؑ کے اصلی اشعار میں سے ہے،

اس صورت میں حضرت ابوطالبؑ کو طعنہ شرم اور بدگونی کا زیادہ تر خوف اس لیے ہے کہ کہیں قریش کے نزدیک ان کی قدر و منزلت کم نہ ہو جائے اور اس بنا پر وہ رسول اکرمؐ کا دفاع کرنے پر قادر نہ ہو سکیں۔ یہ عوامل (یعنی طعنہ شرم اور بدگونی کا خوف) انہیں محمدؐ کے دین کی قبولیت کا اظہار کرنے اور جو کچھ آنحضرتؐ لائے تھے اس پر ایمان لانے کا اعلان کرنے سے باز رکھتے تھے اس سلسلے میں انہوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ ”تم مجھے محمدؐ کے مذہب کے بارے میں علانیہ درگزر کرنے والا مہربان پاتے“ یا دوسرے الفاظ میں ”مددگار پاتے“ پس یہ شعر ان کی باطنی دینداری کے بارے میں ہے اور اگر اس شعر سے ان کا مقصد دین کو قبول نہ کرنا ہو تو اس شعر اور گزشتہ اشعار میں واضح تناقض پیدا ہوتا ہے، کیونکہ ان اشعار میں انہوں نے بالصرحت محمدؐ کے دین کو بہترین دین گردانا ہے اور آنحضرتؐ کو اپنی دعوت میں سچا اور اپنی امت پر امین سمجھا ہے۔

ان کے دیگر اشعار میں سے کچھ یہ ہیں جو انہوں نے عثمان بن مظعون کو

قریش کے ہاتھوں اِیذا دیے جانے پر غصے کے عالم میں کہے ہیں:

کیا تو زمانے کو یاد کرنے سے امان میں نہیں ہے کہ تو اس قدر غمزدہ ہے اور آرزوہ لوگوں کی طرح رو رہا ہے؟

یا یہ ان لوگوں کی نادانی کے یاد آنے کی وجہ سے ہے جو اس شخص پر ظلم و تتم روارکھتے ہیں، جو انہیں دین کی طرف بلاتا ہے؟

کیا تم نہیں دیکھتے کہ خدا نے تمہارے گروہ کو ذلیل کیا ہے؟ اور کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہمیں عثمان بن مظعون کی خاطر غصہ آیا ہے؟

ہم وہ ہیں کہ ہر اس شمشیر بکف شخص کا تقابل کرنے ہیں جو ہمیں مغلوب اور مجبور دیکھنا چاہتا ہو۔

ہماری کاٹ کرنے والی تلواروں کی دھاریں نمک آلود ہیں اور ان کے گھاؤ سے دیوانوں کے سروں میں سے دیوانگی نکال دی جاتی ہے۔ تاکہ جنگ کی سختی سے جنگ بندی کی نرمی کی طرف آنے کے بعد جو افراد قرار کریں کہ یہ تلواریں کسند نہیں ہیں اور۔۔۔ یا

اس حیرت انگیز کتاب یعنی فسرائے پر ایمان لائیں جو موسیٰ یا یونسؑ کی طرح ہمارے پیغمبر (محمدؐ) پر نازل ہوئی ہے۔ لہ

نیز رسول اکرمؐ کی مدح میں ان کے دوسرے اشعار میں سے چند ایک یہ ہیں:

بلاشبہ پروردگار نے پیغمبر (حضرت محمدؐ) کو عز بزرگ رکھا ہے، بس

لہ شرح بیح البلاغہ ابن ابی الحدید جلد ۳ صفحہ ۱۳۳

خدا کی مخلوق میں احمد ہی سب سے معزز ہیں۔

اس نے ان کے نام کو خود اپنے نام سے مشتق کیا ہے تاکہ انھیں بزرگی بخشے، پس عرش کا مالک خدا محمود ہے۔ اور اس کا پیغمبر محمد ہے۔ لہ

ان کے کچھ اور مشہور اشعار یہ ہیں:

اے محمد! آپ پیغمبر ہیں۔

آپ سید، سردار اور نیکو کار ہیں۔

آپ بزرگوں کے دین کو قائم کرنے والے ہیں۔

ان بزرگوں کے دین کو جو پاک اور پاک زاد ہیں۔

پس میں نے کسی دکھاوے کے بغیر آپ کے ساتھ سچے دل سے پیمان باندھا ہے۔

آپ نے اپنے لڑکپن کے وقت ہی سے سچ اور سچائی کے سوا کبھی کچھ نہیں کہا ہے۔ لہ

لہ یہ اشعار علی بن زید کے طریقے سے درج ذیل کتب میں آئے ہیں: بخاری تاریخ صغیر + ابو نعیم دلائل النبوة جلد ۶ + تاریخ ابن عساکر جلد ۵ صفحہ ۳۷۵ + ابن ابی الحدید شرح بیح البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۵ + تاریخ ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۲۶۶ + ابن حجر الاصابہ جلد ۳ صفحہ ۱۱۵ + قسطلانی، مواہب لدرتہ جلد ۱ صفحہ ۵۱۸ + تاریخ انجیس دیار بکری جلد ۲ صفحہ ۲۵۲۔

لہ ابن ابی الحدید شرح بیح البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۵

ایک دفعہ عمر بن ہشام (ابو جہل) رسول اکرمؐ کی جانب آیا جبکہ آنحضرتؐ سجدے میں تھے، ابو جہل کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا جو وہ آنحضرتؐ کو مارنا چاہتا تھا۔ جب اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا تو وہ پتھر اس کی ہتھیلی سے چپک کر رہ گیا اور وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکا۔ اس واقعہ کے بارے میں حضرت ابوطالبؑ نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

اے نبی غالب، خبردار!

اور صاحبِ منطق شخص (حضرت محمدؐ) پر ظلم ڈھانے سے باز آ جاؤ۔

ورنہ مجھے تمہارے بارے میں ان عذابوں کا خوف ہے جو تمہارے

گھروں پر نازل ہوں گے۔

اور مشرق اور مغرب کے پروردگار کی قسم، اس صورت میں تم دوسروں

کے لیے عبرت بن جاؤ گے۔

جیسے کہ تم سے پہلے کے لوگوں مثلاً عاد اور ثمود پر یہ عذاب نازل ہوا

اور اس نے کوئی چیز باقی نہ چھوڑی۔

علیٰ بالصبح ہلاک کرنے والا جھکڑ اور آندھی ان کی طرف آئی،

جب قوم ثمود کے لیے — خدا کی نشانی — اونٹنی پانی پیتی تھی،

اور اے شخص (ابو جہل) تیرے ساتھ تو اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز

بات ہوتی ہے۔

جبران کن بات یہ ہے کہ پتھر تیری ہتھیلی سے چپک گیا ہے۔

جس نے ایک صلح جو، راستگو اور متقی انسان کی طرف نشانہ باندھا

تھا اور پروردگار نے اس نادان ظالم کی خواہش کے برعکس پتھر اس

کی ہتھیلی سے چپکا دیا۔

تمہارے قبیلے — مخزوم کا نادان نوجوان — ابو جہل — جس

نے فریب کاروں کا فریب کھایا اور پیغمبرؐ کی تصدیق نہ کی۔ لہ

یہ ایک مشہور بات ہے کہ عبد اللہ مامونؑ کہا کرتے تھے:

خدا کی قسم! ابوطالبؑ نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اس کا ثبوت ان

کے یہ اشعار ہیں:

میں نے رسولؐ کی — ہاں خدا کے رسولؐ کی مدد کی

اس تلوار کے ذریعے مدد کی جو بجلی کی طرح چمکتی ہے

میں خدا کے رسولؐ کی حمایت اور ان کا دفاع کرتا ہوں

ایک ایسے حامی کی طرح حمایت کرتا ہوں جس کا دل ان کے لیے غم

کھاتا ہے

ہر چند کہ میں رسولؐ کے دشمنوں سے ملائمت کرتا ہوں

ایسی ملائمت جو ایک اونٹنی تراونٹ کو اپنے پیچھے لانے کے لیے کرتی ہے

لیکن خاص بلندی اور بزرگی کی وجہ سے میں ان پر دھاڑتا ہوں —

اس طرح دھاڑتا ہوں جیسے شیر گھنے جنگلوں میں دھاڑتا ہے۔ لہ ایک بار

جب عمرو بن عاص جہتہ گیا تھا تاکہ مہاجرین اور ان کے سربراہ

لہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۵ + دیوان ابوطالبؑ صفحہ ۱۳۰

لہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۴ + دیوان ابوطالبؑ صفحہ ۲۴

جہاں ایک اصنافی شعر بھی ہے۔

تسلی دی اور کہا کہ وہ لوگوں کو علانیہ طور پر اسلام کی دعوت دیں۔
اے اللہ کے رسول — محمد!

حمد کرنے والے کے ہاتھ اور دکھ پہنچانے والے کا غوغا آپ
کو اس سچائی کے اعلان سے باز نہ رکھے جس کے لیے آپ کھڑے ہوئے ہیں۔
اگر آپ دشمنوں کے گھیرے میں ہوں تو میرا ہاتھ آپ کا ہاتھ ہے
یہ میں ہی ہوں جو مشکلوں میں آپ کے آگے آگے رہوں گا لہ

ابن ہشام کہتا ہے: جب ابوطالب کو یہ خوف ہوا کہ کہیں سب عرب
مل کر انہیں اپنی بات ماننے پر مجبور نہ کر دیں۔ تب انھوں نے ایک قصیدہ
کہا جس میں وہ حرم کعبہ کی پناہ بیٹے اور اس کی نسبت سے خود اپنی حیثیت کو
بھی پناہ بناتے ہیں۔ پھر اپنی قوم کے بزرگوں کو دوستی کی پیشکش کرتے ہیں اور
اسی قصیدے میں انہیں خبردار کرتے ہیں کہ وہ رسول اکرم کو ان کے حوالے نہیں
کر سگے اور انہیں کسی حالت میں بھی تنہا نہیں چھوڑیں گے مگر یہ کہ ان کے
پہلو میں اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دیں وہ قصیدہ یوں ہے:

میرے دوست، سچ یا جھوٹ کی جانب میلان میں میرا کان ہی پسلا
سرزنش کرنے والا نہیں ہے۔

جس وقت میں نے دیکھا کہ قوم کے دلوں میں ہماری محبت نہیں
ہے اور ان لوگوں نے ہم سے اپنے رشتے ناٹے توڑ ڈالے ہیں
انہوں نے ہمیں تو اپنی دشمنی کی تکلیف میں ڈال دیا ہے اور وہ ہم

جعفر بن ابوطالب کے حق میں شاہ جہشہ نجاشی کے ہاں بدگوئی اور دھوکہ بازی
کرے اور ان کو وہاں سے نکلوا دے۔ اس وقت ہمارے سردار حضرت ابوطالب
نے نجاشی کو اپنے کچھ اشعار لکھ بھیجے۔ ان اشعار میں انہوں نے نجاشی کو
جعفر کی عزت کرنے اور عمرو بن عاص سے منہ پھیر لینے کی ترغیب دی ہے۔
ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

اے کاش کہ مجھے معلوم ہوتا جہشہ کے لوگوں میں جعفر کا کیا مقام ہے؟
یہ بھی معلوم ہوتا کہ پیغمبر کے دشمن قریشیوں اور عمرو بن عاص کا کیا

حال ہے؟

مجھے معلوم ہو جاتا کہ آیا نجاشی کا احسان — جعفر اور اس کے
ساتھیوں تک پہنچا ہے یا عمرو بن عاص کی فتنہ انگیزی نے اس میں رکاوٹ
ڈال دی ہے؟

اے نجاشی! نتھ پر ہماری دعا اور سلام ہو اور یہ جان لو کہ
ہمارے نزدیک تو بزرگوار ہے۔

تیرا یہ ہمسایہ اور تیرے پڑوس میں رہنے والا کم رتبہ نہیں ہے

ہم جانتے ہیں کہ خدا نے تیری طاقت بڑھانی ہے

بھلائی کے تمام ذریعے اور وسیلے تجھے حاصل ہیں لہ

حضرت ابوطالب کے دوسرے مشہور اشعار میں سے کچھ وہ ہیں جن
میں انہوں نے محمد رسول اللہ سے خطاب کرتے ہوئے ان کی پریشانی پر انہیں

کینہ رکھتے ہیں اور مکہ چھوڑ کر جا رہے ہیں، حالانکہ تمہارے ہی عمل کا انجام
دریغ و غم ہوگا۔

خدا کے گھر کی قسم تم نے جھوٹ کہا ہے کہ تم محمد کے ساتھ سخت گیسری
کرنے والے ہیں یا یہ کہ ہم اس کی حمایت نہ کریں گے اور اس کے ساتھ ہو کر
تم سے جنگ نہ کریں گے۔

بلکہ ہم جب تک اس کے ارد گرد کٹ کر زمین پر نہ گر جائیں اسے
تمہارے سپرد نہیں کریں گے اور اس دوران میں ہم اپنے بچوں اور عورتوں
تک کو فراموش کر دیں گے۔

خدا کی قسم! اگر معاملہ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں اس سے زیادہ سخت ہو جائے
تو ہم بھی مکہ کے سرداروں پر اپنی تلواریں کھینچ لیں گے۔

ہم ان چمکتے چہروں والے دلاور جوانوں کے دونوں ہاتھوں میں
تلواریں پکڑا دیں گے جو سچے اور کھرے بھائی، حق کے حامی اور شجاع ہیں
ہمارے دن، جینے، پورا ایک سال اور پھر ایک کے بعد ایک
سال اسی انداز میں گزریں گے۔

پھر پیغمبر کی فتح و کامرانی سے وہ حجت قائم ہوگی جسے سب تسلیم
کریں گے۔

یہ مناسب نہیں کہ ایک قوم اس بزرگوار کو برا لے جو کبھی برائی کی
طرف نہیں گیا۔

اس نے اپنی شرافت کو بچائے رکھا ہے اور وہ دوسروں پر بوجھ
نہیں بنتا۔

سے الگ ہو جانے والے اور ہمارے دشمن کے ساتھی بن گئے ہیں۔
انہوں نے ہمارے خلاف بدنام اور مشتبہ لوگوں کے ساتھ گٹھ جوڑ
کر لیا ہے اور ہماری پیٹھ پیچھے ہم پر غصے کے مارے اپنی انگلیاں دانتوں سے
کاٹتے ہیں۔

اس وقت میں نے پکدار نیزہ اور چمکتی ہوئی نیز تلوار رکھتے ہوئے
بھی بزرگوں کی نشانیوں یعنی قریش پر حملے سے اپنے آپ کو روکا۔
میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس شخص سے جو بدی کے ساتھ
ہمیں طعنہ دیتا ہے اور ہمارے ساتھ ناحق جھگڑا کرتا ہے۔

ہر اس کینہ جو شخص سے بھی جو ہماری عیب جوئی کرتا رہتا ہے
اور ہر اس شخص سے جو دین میں وہ چیز بڑھاتا ہے جو ہمارا مقصود نہیں ہے۔
مجھے قسم ہے کہ وہ ٹور لے کی اور اس ذات کی جس نے تیسرے کو اس
پھاڑ کی قیام گاہ قرار دیا اور قسم ہے اوپر جانے والے اور کوہ حرا لے سے
اترنے والے پیغمبر محمد کی۔

قسم ہے کعبہ کی یعنی اس پاک گھر کی جو مکہ کے دامن میں
واقع ہے اور قسم ہے خدا کی کہ وہ (خدا) غافل نہیں ہے۔

اور قسم ہے حجر اسود کی، اس وقت جب لوگ اسے چومتے ہیں
اور ہر صبح و شام اسے گھیرے میں لیے رہتے ہیں۔

قسم ہے خدا کے گھر کی — تم نے جھوٹ کہا ہے کہ ہم دل میں

ایسے روشن چہرے والا بزرگ کہ جس کے سامنے آتے ہی ابر پانی سے بھر جاتے ہیں وہ یتیموں کی فریاد کو پہنچنے والا اور بیوہ عورتوں کی پناہ گاہ ہے بنی ہاشم میں سے جن کو ہلاکت کا خطرہ ہو وہ اس کے پاس پناہ لیتے ہیں۔

وہ اس کے پاس رہ کر خدا کی رحمت اور نعمت پاتے ہیں۔
کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارے درمیان ہمارے فرزند محمد کی تکذیب نہیں ہوئی۔

اور ہم اس کے بارے میں شیطانوں کی باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

وہ ایک بزرگ انسان ہے جس کا شمار سب سے بلند مرتبے والے سرداروں میں ہوتا ہے۔

وہ اس خاندان (بنی ہاشم) سے ہے جو بڑائیوں کے میدان میں برتری کا مالک ہے۔

مجھے اپنی جان کی قسم کہ احمد سے محبت کی خاطر میں نے اپنے آپ کو سخت تکلیف میں ڈال دیا۔

میں نے اس سے ہمیشہ دوستداروں اور محبوں کی طرح محبت رکھی ہے۔

وہ دنیا میں ہمیشہ اپنے دوستوں اور قرابتداروں کے ساتھ نیک سیرت رہا ہے۔

وہ ہمیشہ ہی اپنے محبت کرنے والوں کی سر بلندی کا موجب بنا ہے۔

اور وہ (احمد) ہمارے درمیان اس قدر شرافت اور اعتبار کا مالک ہے۔

ہر تجاؤز کرنے والے کی شرافت اور رتبہ اس سے کم تر ہے اس کی حمایت کے بوجھ سے میری کمر خم ہو گئی ہے لیکن اس کے باوجود میں نے اس کی حمایت کی ہے۔

میں نے اونٹوں کے گوماؤں پر سے اور سینوں کی بلندی پر سے اس کا دفاع کیا ہے۔

پھر یہ ہوا کہ خدا نے اپنی رحمت سے اس کی تائید فرمائی اور اس سچائی کو ظاہر کیا جس میں کوئی جھوٹ نہ تھا۔

علامہ امینی کہتے ہیں: اگر کوئی شخص ان اشعار کے گونا گوں اسالیب سے ایمان ابوطالب کو نہیں سمجھ سکتا تو پھر اس کے لیے رسول اکرم کی نبوت کا اعتراف اور شہادت اور کہاں سے حاصل کرنا ممکن ہے؟ کیونکہ یہ ایسے

اسالیب اور اشارے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی شخص کی نظم یا نثر میں موجود ہو تو سب لوگ اس کے اسلام لانے میں متفق القول ہوجائیں گے۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ تمام (اسالیب اور اشارے)

ابوطالب کے اسلام پر دلالت نہیں کرتے! فاعجب و اعتبار! جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ حضرت ابوطالب کے اشعار کا ایک حصہ ہے جو ہر لحاظ سے صحیح اسلام، خالص ایمان کی کیفیات سے پرہ اور

بریز ہے۔

عالم شہیر — ابن شہر آشوب مازندرانی نے اپنی کتاب

دوسرا باب



رَسُولِ الْكَرِيمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِي خَاطِر

حَضْرَتِ الْبُوطَالِبِ كِي كُوشِشِ وَزَحْمَتِ



”مُتَشَابِهَاتِ الْقُرْآنِ“ مِيں آیتِ مَبَارَكَةِ ”وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنْصُرُهُ“ كِي ذِيلِ مِيں لِكْھَا ہے :

ابو طالبؑ كے جو اشعار ان كے ایمان پر دلالت كرتے ہیں، وہ تین ہزار سے بچھ اوپر ہیں۔ ان سے ایک ایسے شخص كی خاص کیفیتیں ظاہر ہوتی ہیں، جس نے رسولِ اكرمؐ كی حقیقت كو جانا پہچانا اور ان كے نبی برحق ہونے كی تصدیق كی ہے۔ اس كے بعد وہ حضرت ابو طالبؑ كے بہت سے اقوال نقل كرتے ہیں، جن میں ان كے وہ كلمات بھی شامل ہیں جو انہوں نے بطور وصیت كے اور وہ یہ ہیں :

میں كرم پیغمبرؐ كی مدد كے لیے چار اشخاص كو وصیت كرتا ہوں اپنے بیٹے علیؑ اور (اپنے بھائی) قَبیدہ كے بزرگ عباسؓ كو پیغمبرؐ كی حقیقی حمایت كرنے والے شیر۔ حمزہؓ اور جعفرؓ كو تاکہ وہ اس كے ساتھ رہیں اور دشمنوں كو اس سے دور كریں میری ماں اور اس كے تمام فرزند تم (چاروں) پر قذابوں اِحْمَلْ كی مدد كے لیے دوسروں كے ساتھ مل كرا سكي ڈھالیں بن كریں۔ ۱۱

۱۱ اور جو شخص خدا كی مدد كریے گا، خدا بھی اس كی مدد ضرور كریگا۔ (سورہ حج - آیت ۴۰)

۱۲ ابن شہر آشوب كی كتاب ”متشابہات القرآن“ میں حضرت ابو طالبؑ كی وصیت پر مشتمل ان اشعار میں تحریف كی گئی ہے۔

مکہ کے سردار ابوطالبؓ پر خدا کا سلام ہو کہ انہوں نے رسول اکرمؐ کی مدد، حفاظت، دفاع اور لوگوں کو دین اسلام کی طرف دعوت دینے کے کام میں آنحضرتؐ کی بعثت سے اپنی زندگی کے آخری دم تک جو اعلیٰ کردار ادا کیا اور جو قابل قدر خدمتیں انجام دیں، ان سے ابوطالبؓ کے صحیح اسلام، خالص ایمان اور آنحضرتؐ کی الہی رسالت کے سامنے ان کی فرد تہنی اور تواضع کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کے اس ایمان باللہ اور اطاعت رسولؐ کی کامل صحت انشاء اللہ قیامت کے دن واضح ہو کر رہے گی۔ بہر حال ہم یہاں اقامت دین کے لیے ان کی کاوشوں اور کوششوں کے کچھ نمونے پیش کرتے ہیں۔

شام کا سفر

ابن اسحاق کہتا ہے: ابوطالب ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام جانے لگے۔ قافلے والوں نے ضروری سامان لے کر کوچ کا ارادہ کیا۔ تب محمد تیزی سے ابوطالب کے پاس پہنچے، ان کے اونٹ کی ہمار پکڑی اور کہا:

”چچا جان! آپ مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں؟ جبکہ نہ میرا باپ ہے کہ اس کا سہارا لوں اور نہ ماں ہے۔ جس سے محبت کروں!

یہ بات سن کر ابوطالب پر رقت طاری ہو گئی اور انہوں نے کہا:

خدا کی قسم! میں اسے بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا، کیونکہ یہ مجھ سے اور میں اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ یوں محمد عربیؐ — ابوطالب کے ساتھ سفر پر روانہ ہو گئے۔

رفتہ رفتہ وہ قافلہ شہر بصریٰ جا پہنچا جو حکومتِ شام کے ماتحت تھا۔ جہاں سربراہ ایک خانقاہ پڑتی تھی جس میں یحییٰ نامی ایک راہب رہتا تھا۔ وہ اس علاقے میں عیسائیوں کا سب سے بڑا عالم تھا اور وہ خانقاہ ہمیشہ سے راہبوں کا مسکن چلی آتی تھی، جو بد خیال خوبیش اپنے پیٹروؤں سے درشے میں ملی ہوئی ایک کتاب کے علوم لوگوں کو منتقل کرتے تھے۔

اگرچہ اس سے پہلے بھی بہت سے قافلے یحییٰ کے پاس سے گزرتے تھے، لیکن اس نے نہ تو کبھی ان پر توجہ دی اور نہ ان سے کوئی بات کی۔ حتیٰ کہ وہ سال آگیا جس میں مکہ والوں کا قافلہ وہاں پہنچا۔ قافلے والوں نے یحییٰ کی خانقاہ کے پاس پڑاؤ ڈالا تو اس نے خلافِ معمول ان کے لیے کثیر مقدار میں کھانا تیار کر لیا۔ کیونکہ اس نے خانقاہ کے اندر سے آسمان پر ایک ابرو دیکھا تھا جو قافلے کے ایک فرد پر سایہ کیے ہوئے تھا۔ پھر جب آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھے تو اس ابرو نے درخت پر اپنا سایہ ڈال دیا اور درخت کی شاخیں جھک پڑیں کیونکہ بیغمبر کے قدموں کے سامنے سر اودنچا نہیں کیا جاسکتا۔

یحییٰ نے یہ سب کچھ دیکھا تو خانقاہ سے باہر نکل آیا اور پھر اپنے لوگوں کو کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ جب کھانا تیار ہو گیا تو اس نے قافلے والوں کو کہلا بھیجا:

اے گروہِ قریش! میں نے تمہارے لیے کھانا تیار کرایا ہے اور چاہتا ہوں کہ تم سب — خرد و بزرگ اور غلام و آزاد — میرے دسترخوان پر جمع ہو جاؤ۔

قافلے والوں میں سے ایک شخص نے جا کر کہا: اے یحییٰ! آج کوئی خاص بات ہے، کیونکہ اس سے پہلے تم نے ایسا کبھی نہیں کیا حالانکہ ہم اکثر تمہارے پاس سے گزرے ہیں، پھر آج یہ تمہیں کیا ہوا ہے؟

یحییٰ نے کہا: ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے اور تم وہ مہمان ہو جن کی میں خاطر مدارات کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہارے لیے کھانا

تیار کر لیا ہے تاکہ تم سب کے سب آکر کھاؤ۔

چنانچہ وہ قافلے والے بھیرا کے پاس جمع ہو گئے اور رسول اکرمؐ کو ان کی کم سنی کی وجہ سے درخت کے نیچے رکھے ہوئے سامان کے پاس چھوڑ آئے۔

مُحییو نے ان سب پر نگاہ ڈالی اور ان میں سے کسی میں وہ خاص بات نہ پائی جو اس نے خود دیکھی تھی۔

اس نے کہا: اے قریش! کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی شخص ضیافت میں شریک ہونے سے رہ جائے۔

انہوں نے کہا: جنہیں آنا چاہیے تھا ان میں سے کوئی پیچھے نہیں رہا سوائے ایک لڑکے کے جو ہم سب سے کمسن ہے اور وہ سامان کے پاس بیٹھا ہے۔

مُحییو نے کہا: نہیں۔ ایسا نہ کرو اور اسے بھی بلا لو تاکہ وہ بھی آکر اس دسترخوان پر بیٹھے۔

قریش میں سے ایک نے کہا: لات دعزلی کی قسم! آج کوئی خاص بات ہے! اب کیا یہ مناسب ہے کہ ہم عبد اللہ کے بیٹے (محمد) کو اس کھانے سے محروم رکھیں؟ پھر وہ اٹھا۔ رسول اکرمؐ کے پاس گیا اور انہیں گود میں اٹھا لایا اور آپ کو دوسرے لوگوں کے ساتھ بٹھا دیا۔ جب مُحییو کی نظر آنحضرتؐ پر پڑی تو وہ حیرت میں آ گیا اور ان میں وہ خصوصیات تلاش کرنے لگا جنہیں وہ عرصے سے جانتا تھا۔ اس دوران میں قافلے والے کھانا کھا کر اپنے پڑاؤ کو چل دیے۔

تب مُحیسرا اٹھا اور اس نے رسول اکرمؐ سے کہا: اے لڑکے! میں تمہیں لات دعزلی کی قسم دیتا ہوں کہ میں جو کچھ پوچھوں تم اس کا جواب دو گے۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: لات دعزلی کی قسم دے کر مجھ سے کوئی بات ہرگز نہ پوچھو۔

مُحیسرا نے کہا: اچھا تو میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: ”پوچھو کیا پوچھتے ہو؟“

مُحیسرا نے آپ سے سونے، سونے کی حالت اور اس میں پیش آنے والی باتوں کے بارے میں پوچھنا شروع کیا۔ تب آنحضرتؐ نے اس کی ہر بات کا جواب دیا۔ آپ کے تمام جوابات ان نشانیوں کے مطابق تھے جو مُحیسرا کے ذہن میں محفوظ تھیں۔ پھر اس نے آپ کی پشت پر نگاہ ڈالی اور دونوں کندھوں کے درمیان (جیسا کہ اس کا خیال تھا) مہرِ نبوت دیکھی۔

اس واقعہ کی بابت حضرت ابوطالبؓ نے یہ اشعار کہے:

سچ تو یہ ہے کہ آمنہ کا بیٹا محمد

میرے نزدیک میرے بیٹوں سے بلند رتبہ رکھتا ہے

اور جب مرنج بالوں والے اونٹ قافلے میں اپنے لڑکوں کے

ساتھ چل رہے تھے۔

اس نے میرے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور میرا دل بھرا آیا

وہ جو دوسروں کا مخلص مددگار اور کام کرنے میں دلیر تھا

میں نے اس کو لوگوں کے درمیان گھومنے پھرنے کے لیے بلایا
 قافلے والے اپنی دور کی منزل کے لیے چل رہے تھے
 تب ان کا اپنا وطن بہت پیچھے رہ گیا
 حتیٰ کہ وہ سب کے سب بھری پہنچ گئے
 وہاں انہوں نے بھیرا راہب سے ملاقات کی جو ان کے
 انتظار میں تھا۔

اس نے انھیں اس (محمد) کے بارے میں سچی خبر دی
 اور حاسدوں کے ٹولے کو اس کے پاس آنے سے روک دیا
 جب یہودیوں کے ایک گروہ نے محمد کے سر پر ابر کا سیاہ اور قدرت
 الہی کا ظہور دیکھا انہوں نے محمد کو قتل کرنے کے لیے ہلہ بول دیا لیکن
 بھیرا نے ان کو روکنے میں اپنی زیادہ سے زیادہ کوشش کی۔
 اس واقعہ کے بارے میں انہوں نے یہ اشعار بھی کہے:

جب میں نے اپنے دل میں (شام کے سفر کا) ارادہ کر لیا تو کیا
 اس کے بعد تو نے میری حالت نہیں دیکھی؟
 اس سفر کا لازمہ جدائی تھا، وہ سخت جدائی جو ماں باپ پر
 بھاری ہے۔

وہ احمد سے جدائی تھی، جب میں شام کے سفر کے لیے
 تیار ہوا۔

تو میں نے اس کی سلامتی کی آرزو کے ساتھ اسے الوداع کہا۔
 وہ رنج کے مارے رو رہا تھا اور اونٹ ہمارے درمیان فاصلہ

ڈال رہے تھے۔

وہ (محمد) اونٹوں کی مہار کا پھلا سرا پکڑے تھا۔
 مجھے اس کے باپ کی یاد آگئی اور میں نے بجد آستو بہانے
 وہ آستو جو ہمیشہ میری دونوں آنکھوں سے جاری رہتے تھے
 حضرت ابوطالب اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں
 نے آنحضرتؐ کو قافلے کے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی اور اس سلسلے
 میں وہ مندرجہ ذیل اشعار کا اضا فہ کرتے ہیں:

اور جب ہم نے بصوسی کی سرزمین میں پڑاؤ ڈالا
 ہمیں اچھے مکانوں میں اتارا گیا اور احترام کی نگاہ سے دیکھا گیا
 اس وقت بھیرا جلدی سے وہاں آیا اور اس نے بڑی تیزی
 سے ہمارے لیے عمدہ کھانا اور مشروب تیار کرایا۔

اس نے کہا آپ اپنے سب ساتھیوں کو ہمارے کھانے پر جمع
 کیجیے۔

ہم نے کہا کہ ایک نو عمر لڑکے کے علاوہ سب لوگ آگئے ہیں
 وہ نو عمر لڑکا یتیم ہے لیکن بھیرا نے اسے بھی بلوایا۔

اور کہا کہ آج کھانا بہت ہے اور اسے محروم نہیں رہنا چاہیے
 اور اگر تم ہمیں محمد کے وجود سے آگاہ نہ کر دیتے
 تو آج ہمارے نزدیک تمہاری کوئی عزت نہ ہوتی

اور جب بھیرا نے دیکھا کہ محمدؐ اس کے گھر کی طرف آرہے ہیں
 اور ابر کا سایہ ان کو سورج کی دھوپ سے بچا رہا ہے

تب اس نے ان کے سامنے اپنا سر سجدے میں رکھ دیا
اور بڑی گرمجوشی سے ان کو اپنے سینے سے لگا لیا۔

ابوطالب کا رسول اکرم کے

وسیلے سے بارش کی دعا کرنا

جلمہ بن عرفطہ نے کہا:

ایک دفعہ میں مکہ آیا جبکہ اہل مکہ قحط اور خشک سالی میں مبتلا تھے۔

قریش نے کہا: اے ابوطالب!

واپاں خشک ہو گئی ہیں اور شہر کے لوگ قحط سے دوچار ہیں، چلو

چل کے بارش کے لیے دعا کرو۔

اس پر ابوطالب باہر آئے جبکہ ایک لڑکا ان کے ساتھ تھا۔ وہ

لڑکا (محمد) ایسے لگتا تھا جیسے سیاہ بادلوں کے پیچھے سے سورج چمک

رہا ہو۔ اس لڑکے کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے بچے تھے۔ ابوطالب

نے اس لڑکے کو اٹھایا اور اس کی پشت دیوار کعبہ کے ساتھ

لگا دی۔ پھر اس حالت میں کہ وہ اس لڑکے کو اپنی ہتھیلیوں پر اٹھائے

ہوئے تھے، انہوں نے بارش کے لیے دعا کی۔

لے دیوان ابوطالب صفحہ ۳۳ تا ۳۵ + تاریخ ابن عساکر جلد ۱ صفحہ ۲۶۹

۲۷۲ + روض الانف جلد ۱ صفحہ ۱۲

حالانکہ اس وقت آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا لیکن فوراً ہی
ہر طرف سے گھٹائیں گھر کے آئیں اور یوں کھل کر برسیں کہ شہروں اور دیہاتوں
کو وافر مقدار میں پانی دستیاب ہو گیا اور وادیاں سرسبز ہو گئیں۔ اس موقع
پر حضرت ابوطالب نے یہ شعر کہے:

(محمد) وہ معصوم ہے جس کا چہرہ دیکھ کر ابر پانی سے بھر جاتا ہے

وہ جو یتیموں کی جائے پناہ اور بیوہ عورتوں کا نگہبان ہے

خاندان ہاشم کے رنج دیدہ افراد اس کی پناہ میں آجاتے ہیں

اور اس کی پناہ میں نعمت اور آسودگی کی زندگی بسر کرتے ہیں

وہ عدل کی ایسی میزان ہے کہ کسی پر جو کے ایک دانے کے برابر

بھی زیادتی نہیں کرتا۔

وہ ایسا کھرا معاملہ فہم ہے کہ اس کی معاملہ فہمی میں کوئی اندیشہ

نہیں ہوتا۔

جو امور اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت ابوطالب — رسول اکرم

کی شان نبوت اور رسالت کے مرتبے کو پہچانتے تھے، ان میں ایک وہ عظیم

لے فسطائی، شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۲۷ + مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ

۴۸ + خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸۶-۱۲۲ + شرح بجمتہ المحافل

جلد ۱ صفحہ ۱۱۹ + سیرت حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۵ + دحلان، سیرت

نبویہ جلد ۱ صفحہ ۸۷ + طلبہ الطالب صفحہ ۲۰۲ + تاریخ ابن عساکر

خشک سالی بھی ہے جو مکہ میں رونما ہوئی تھی۔ چنانچہ جب دو سال تک بارش نہ ہوئی تو حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے ابوطالب کو حکم دیا کہ وہ محمد بن عبد اللہ کو کپڑے میں لپیٹ لائیں، جو اس وقت شیر خوار تھے۔ پھر عبدالمطلب خانہ کعبہ کی طرف گئے، نئے محسّد کو آسمان کی جانب بلند کیا اور کہا:

اے پروردگار! اس بچے کی خاطر (میتہ برسا) انہوں نے یہ لافاف تین دفعہ دہرائے اور مسلسل کہتے رہے: اے پروردگار! اس بچے کی خاطر ہم پر پوسلادھار میتہ برسا دے۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ بادل آسمان پر چھا گئے اور اتنے زور کی بارش ہوئی کہ لوگوں کے دلوں میں مسجد الحرام کے گرجانے کا خوف پیدا ہو گیا۔

اس وقت ابوطالب نے یہ قصیدہ لایہیہ کہا:

محمدؐ وہ معصوم ہے جس کا چہرہ دیکھ کر ابر پانی سے بھر جاتا ہے۔ وہ جو یتیموں کی جلے پناہ اور یتیموں کے گھبرانے کا نگہبان ہے۔

پس حضرت عبدالمطلب کا حضور اکرمؐ کی شیر خوارگی اور ان کے فرزند حضرت ابوطالبؓ کا آپ کے لڑکپن میں آپ کے وسیلے سے بارش کی دعا کرنا۔ ان دونوں بزرگوں کے توحید الہی پر ایمان اور حضرت کی

۱۔ شہرستانی مثل و نخل۔ حاشیہ فصل ۳ صفحہ ۲۲۵

۲۔ صاحب علم حضرات پر مخفی نہیں کہ ”قصیدہ لایہیہ“ شعب ابوطالب میں نظر بندی کے دنوں میں کہا گیا تھا۔

زندگی کے آغاز ہی سے آپ کی رسالت کے عرفان کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ اگر تاریخ میں ان دو واقعات کے علاوہ ان کا کوئی اور مقام نہ بھی ہوتا تو بھی یہ واقعات توحید و نبوت پر ان کا اعتقاد اور ایمان ثابت کرنے کے لیے کافی تھے اور یہ واقعات محققین کے لیے بھی ان دونوں کے توحید و نبوت پر ایمان کے بارے میں ایک قوی دلیل بن سکتے ہیں۔

امیر المومنینؑ کی ولادت اور ابوطالب

جابر بن عبد اللہ نے کہا ہے:

میں نے علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولادت کے متعلق رسول اکرمؐ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: بلاشبہ تم نے پیدا ہونے والے ایک بہترین شخص کے متعلق سوال کیا ہے جو مسیح کی مانند ہے۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے مجھے علیؑ کے نور سے اور علیؑ کو میرے نور سے اور ہم دونوں کو ایک نور سے پیدا کیا۔ پھر اس نے ہمیں پاک صلبوں سے پاک رحموں میں منتقل فرمایا۔ ہاں یوں سمجھو کہ میں کسی صلب سے منتقل نہیں ہوا مگر یہ کہ علیؑ بھی میرے ساتھ تھا اور مسلسل ایسا ہی ہوتا رہا، حتیٰ کہ خدائے تعالیٰ نے مجھے (میری ماں آمنہ کے) بہترین رحم میں ودیعت کیا تو علیؑ کو بھی (فاطمہ بنت اسد کے) بہترین رحم میں ودیعت کیا۔

اس زمانے میں مہرم بن دعیب بن الشقبان ایک عابد و زاہد شخص تھا۔ وہ دو سو ستر سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا اور اس سے کوئی حاجت طلب نہ کی تھی۔ پھر ہوا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابوطالبؓ کو مہرم عابد

علیؑ ہے جو پروردگار کے نام علی سے مشتق ہوا ہے لہ

ابوطالب اور آغا نبوت

حنبلی فقیہہ، ابراہیم بن علی بن محمد دیوری اپنی کتاب نہایتہ اطلب میں ایک طویل حدیث میں طاؤس بن عباس کا قول نقل کرتے ہیں:

رسول اکرمؐ نے اپنے چچا عباسؓ سے فرمایا:

خدائے تعالیٰ نے مجھے نبوت و رسالت کی خبر دی ہے اور اپنی

تبلیغ و دعوت کو ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیسے آپ کا کیا خیال ہے؟

عباسؓ نے کہا: میرے پیارے بھتیجے! تم جانتے ہو کہ قریش تمہارے

خاندان سے بے حد حسد کرتے ہیں۔ جو کچھ تم کہتے ہو، اگر وہی ہوا تو ہم پر

بہت بڑی مصیبت آجائے گی۔ وہ لوگ ہم سب کو ایک کمان سے نشانہ

بنائیں گے اور ہمیں جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ تم اس کام سے باز رہو

اور ہمیں یونہی رہنے دو۔ پھر بھی اپنے چچا ابوطالب سے رجوع کرو کیونکہ

وہ تمہارے سب سے بڑے چچا ہیں۔ اگر وہ تمہاری مدد نہیں کریں گے

تو کم از کم وہ تمہیں خوار بھی نہیں ہونے دیں گے اور تمہیں ان لوگوں کے سپرد

نہیں کریں گے۔

پھر وہ دونوں ابوطالب کے پاس گئے۔ وہ دیکھتے ہی بولے: یقیناً

کوئی خاص بات ہے، اس وقت تمہیں کونسا مسئلہ یہاں کھینچ لایا ہے؟

کے پاس بھیجا۔ وہ انہیں دیکھنے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ ان کا سر جو ما اور اپنے پاس بٹھا لیا۔ تب اس نے ابوطالب سے پوچھا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: میرا تعلق تہامہ سے ہے۔ اس نے پوچھا: تہامہ کے کس خاندان سے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: میں بنی ہاشم سے ہوں۔ اس عابد نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دوبارہ ان کا سر جو ما اور کہا: اے شخص! خدا نے ایک بات مجھ پر اہام فرمائی ہے۔ ابوطالب نے پوچھا: وہ کیا؟ عابد نے کہا: تمہاری نسل سے ایک فرزند پیدا ہوگا جو خدائے تعالیٰ کا ولی ہوگا۔ پھر جب علیؑ کی پیدائش کی رات آپہنچی اور زمین روشن ہو گئی تو ابوطالب یہ کہتے ہوئے باہر آئے کہ کعبہ میں خدا کا دل سے پیدا ہوا ہے۔ وہ رات گزر گئی اور وہ دوسرے دن یہ اشعار پڑھتے ہوئے خانہ کعبہ میں داخل ہوئے:

اے اس اندھیرے کی سیاہی کے پروردگار

اور اے طلوع کرنے والے نورانی چاند کے پروردگار

ہم پر اپنا پوشیدہ امر ظاہر فرما

کہ اس بچے کے نام کے بارے میں تیری کیا منشا رہے؟

اس کے بعد رسول اکرمؐ نے فرمایا: اس وقت ایک آواز سنائی

دی جو کہہ رہی تھی:

اے ممتاز پیغمبر کے خاندان والو

تمہیں پاک ہنما و فرزند نصیب ہوا ہے

بلند مرتبہ پروردگار کی جانب سے اس کا نام

عباس نے وہ باتیں ابو طالبؑ کو بتائیں جو ان کے اور رسول اکرمؐ کے درمیان ہوئی تھیں۔ ابو طالبؑ نے رسول اکرمؐ پر نگاہ ڈالی اور کہا: اے بھتیجے! اٹھو اور اپنے کام کا آغاز کرو کیونکہ تم واقعی شریف ہو اور ایک طاقتور اور عالی نسب گھرانے سے تعلق رکھتے ہو۔ خدایٰ قسم! کوئی زبان تمہیں تکلیف نہیں پہنچائے گی مگر یہ کہ تیز اور کاٹ کرنے والی زبانیں اسے بھی تکلیف پہنچائیں گی اور تیز تلواریں اس پر برسیں گی۔

خدا کی قسم! عرب قوم تمہاری اسی طرح فرمانبردار ہو جائے گی جس طرح دووہ پینے والے جانور اپنے مرتبی کے فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ میرے بزرگوار عبدالمطلب ہمیشہ کتاب پڑھتے اور کہتے تھے: بلاشبہ میری نسل سے ایک پیغمبر ہوگا۔ میری خواہش تھی کہ میں اس کے زمانے میں زندہ ہوتا اور اس پر ایمان لاتا۔ پس میرے فرزندوں میں سے جو کوئی اس کا زمانہ دیکھے وہ اس پر ایمان لائے۔ ۱۰

علامہ اصیخی کہتے ہیں:

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ابو طالبؑ پورے اطمینان کے ساتھ اپنے والد کی یہ فمائش نقل کرتے ہیں — وہ آغاز دعوت سے ہی رسول اکرمؐ کو تسلی دیتے ہیں — انہیں اپنی دعوت پھیلانے اور خدا کا ذکر بلند کرنے کو کہتے ہیں — وہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ محمدؐ وہی پیغمبر ہیں جن کے بارے میں پیشین گوئی کی گئی ہے کہ عرب ان کے

۱۰ سید بن طاووس: طرائف - صفحہ ۸۵ + ابوالحسن شریف: صیبا العالمین

ساتھ فرقتی کے ساتھ تسلیم خم کر دیں گے۔

کیا آپ یقین کر سکتے ہیں کہ حضرت ابو طالبؑ یہ سب کچھ بیان کریں لیکن خود اس پر ایمان نہ رکھتے ہوں؟ پھر بھی اگر کوئی ایسی بات کہتا ہے تو وہ سوائے جھوٹ اور جعل کے اور کچھ نہیں ہے۔

حضرت رسولؐ کی گمشدگی

اور ابو طالبؑ

رسول اکرمؐ کی تبلیغ و دعوت کے بارے میں حضرت ابو طالبؑ کے پاس قبیلہ قریش کا ایک اجتماع ہوا۔ وہ حضرت رسولؐ کے پیغام سے اپنی نفرت اور بیزاری ظاہر کرنے لگے۔ پھر غصے کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: یعنی یہاں سے اٹھ چلو اور اپنے خدوؤں کی عبادت پر قائم رہو۔ اس (تبلیغ) میں ضرور اس کی اپنی غرض ہے۔ ۱۰

علاوہ ازیں انہوں نے کہا: ہم ہرگز اس دین کی جانب نہیں آئیں گے اور اس مسئلے کا بہترین حل یہ ہے کہ محمدؐ کو بے خبری کے عالم میں قتل کر دیا جائے۔ ۱۰

اتفاق سے اسی رات جب رسول اکرمؐ نظر نہ آئے تو یہی سمجھا گیا کہ

۱۰ سورہ ص - آیت ۶

۱۰ بقولے یہ بات عقبہ بن ابی معیط نے کہی تھی۔

آپ گم ہو گئے ہیں۔ چنانچہ ابوطالب اور ان کے رشتہ دار آنحضرتؐ کی جائے سکونت پر آئے اور دیکھا کہ وہ موجود نہیں ہیں۔ اس پر ابوطالب نے بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے کچھ جوانوں کو جمع کیا اور انہیں کہا:

تم سب ایک ایک تیز تلوار لے لو اور جب میں مسجد الحرام میں داخل ہوں تو میرے پیچھے پیچھے تم بھی وہاں آجانا۔ پھر تم میں سے ہر ایک غور سے دیکھے اور قریش کے رؤسا میں سے کسی ایک کے ساتھ بیٹھ جائے، انہی رؤسا میں سے ایک ابو جہل بھی ہے۔ پس اگر تم کو قتل کر دیا گیا ہو تو وہ (ابو جہل) بچ کر نہ جائے۔

جوانوں نے کہا: ہم ایسا ہی کریں گے۔

درس اشنا زید بن حارثہ وہاں آئے اور انہوں نے ابوطالبؑ کو اس حالت میں دیکھا۔

حضرت ابوطالبؑ نے ان سے پوچھا: اے زید! تم نے میرے بھتیجے (محمدؐ) کو کہیں دیکھا ہے؟

زید نے جواب دیا: جی ہاں، ابھی تھوڑی دیر پہلے میں ان کے پاس تھا۔

حضرت ابوطالبؑ نے کہا: جب تک میں اسے دیکھ نہ لوں گھر نہیں جاؤں گا۔

اس وقت رسول اکرمؐ کو ہ صفا کے ایک مقام پر اپنے ساتھیوں سے گفتگو میں مشغول تھے۔ زید جلدی سے وہاں گئے اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا۔ آنحضرتؐ یہ ماجرا سن کر ابوطالبؑ کے پاس آ گئے۔

ابوطالب نے کہا: میرے بھتیجے! خیریت سے ہو۔ نا! تم کہاں تھے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: جی۔ خیریت سے ہوں۔

ابوطالبؑ نے کہا: اب اپنے گھر چلو۔ آنحضرتؐ نے ایسا ہی کیا۔ رات گزر گئی اور صبح ہوتے ہی ابوطالبؑ نے آنحضرتؐ کا ہاتھ تھاما اور انہیں قریش کے ایک مجمع میں لے گئے، جبکہ ہاشمی جوان بھی ان کے ہمراہ تھے۔

ابوطالب نے کہا: اے قریش! کیا تمہیں علم ہے کہ رات ہم نے کیا فیصلہ کیا تھا؟

انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ پھر ابوطالبؑ نے انہیں سارا ماجرا کہہ سنایا اور ہاشمی جوانوں سے کہا: جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں ہے، سب کو دکھا دو۔

جوانوں نے ایسا ہی کیا اور اچانک ہی قریش نے دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک تیز تلوار ہے۔

اس وقت ابوطالبؑ نے کہا:

خدا کی قسم! اگر تم نے اس (محمدؐ) کو قتل کر دیا ہوتا تو تم میں سے ایک بھی زندہ نہ بچتا اور ہم تم ایک دوسرے کو نابود کر دیتے۔ یہ سن کر قریش اور بالخصوص ابو جہل ترمزہ ہو گیا۔ لہ

یہ واقعہ کچھ رد و بدل کے ساتھ ایک اور پیرائے میں نقل کیا گیا ہے :
 ایک دفعہ حضرت ابوطالب کو خیال گزرا کہ رسول اکرمؐ کم ہونگے
 ہیں۔ وہ سمجھے کہ قریش کے ایک گروہ نے انہیں چھپ کر قتل کر دیا ہے۔ لہذا
 انہوں نے ایک آدمی کے ذریعے بنی ہاشم کو کہلوا بھیجا : اے بنی ہاشم !
 میرا خیال ہے کہ قریش کے ایک گروہ نے محمدؐ کو قتل کر دیا ہے۔ تم میں سے
 ہر ایک کو مسلح ہو کر قریش کے کسی ایک سردار کے پاس بیٹھ جانا چاہیے۔
 پھر جب میں یہ اعلان کروں کہ میں محمدؐ کو تلاش کر رہا ہوں، تو تم میں سے
 ہر ایک اپنے پاس بیٹھے ہوئے سردار کو قتل کر دے۔ یہ خبر رسول اکرمؐ کو
 ملی جو اس وقت کوہ صفا کے ایک مقام پر تشریف فرما تھے۔ آنحضرتؐ
 تیزی سے ابوطالب کے پاس آئے اور انہیں مسجد میں پایا۔

ابوطالب نے جب انہیں دیکھا تو ان کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا :
 اے قریش! محمدؐ مجھے مل نہیں رہے تھے اور میرا خیال تھا کہ تم نے انہیں
 قتل کر دیا ہے۔ اس لیے میں نے بنی ہاشم کے ان جوانوں کو جو یہاں
 موجود ہیں، کہا تھا کہ ان میں سے ہر ایک مسلح ہو کر تمہارے ایک ایک
 سردار کے پاس بیٹھ جائے۔ پھر جب میں یہ اعلان کروں کہ میں محمدؐ کو
 تلاش کر رہا ہوں، تو ان میں سے ہر ایک اپنے پاس بیٹھے ہوئے سردار
 کو قتل کر دے۔

ہاں، اے بنی ہاشم کے جوانو! جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں ہے
 اب اسے ظاہر کر دو۔ تب ان جوانوں نے اپنے ہتھیار سامنے کر دیئے جبکہ
 قریش سمجھے سمجھے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اس وقت سے وہ رسول اکرمؐ کے

معالے میں کچھ نہ کچھ ڈرنے لگے۔ ابوطالب نے اس موقع کی مناسبت
 سے یہ اشعار کہے :

ہاں! قریش سے کہہ دو کہ ان کے سب بھید
 جہاں کہیں وہ کھلیں، دھوکا اور فریب ہیں
 نیز قدم اور پر جوش کھوڑوں کی قسم
 اور ان مقدس کتابوں کی قسم! علماء رجن کی تلاوت کرتے ہیں
 میں محمدؐ کے خاندان کا محافظ اور سرپرست ہوں
 اور ان سے میری محبت دل اور ضمیر کی گہرائیوں سے ہے
 اے میرے بھتیجے! اے وہ جو ہمیشہ میرے دل میں ہے
 اے وہ سفید بادل جو خوشگوار اور کثیر پانی رکھتا ہے
 اے سرداروں کے فرزند! وہ سردار جو قصی کی اولاد سے ہیں
 اے وہ کہ جس کی پیشانی (نور نبوت سے) چاند کی طرح چمکتی ہے

ایک تیسری روایت میں اس واقعہ کی تفصیل یوں آئی ہے کہ
 سید فخر نے کہا :

شیخ حافظ ابو القرج عبد الرحمن بن محمد جوزی محدث بغدادی جو
 ابوطالب کے کفر کا قائل ہے، اس نے ۵۹۱ھ میں — واسط (عراق)
 میں مجھے اپنی اسناد کے ساتھ واقفی سے یہ خبر دی :

عبد المطلب کے فرزند ابوطالبؑ — صبح و شام رسول اکرمؐ کے
 ساتھ رہتے اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتے تھے۔ کیونکہ انہیں یہ ڈر

رہتا تھا کہ کہیں دشمن آنحضرتؐ کو قتل نہ کر دیں۔ ایک دن آنحضرتؐ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے اور پھر رات تک نظر نہ آئے۔ اگلی صبح — انہوں نے رسول اکرمؐ کو ان تمام جگہوں پر ڈھونڈا، جہاں ان کے موجود ہونے کا امکان تھا۔ لیکن وہ ان کو کہیں بھی نہ ملے، جس سے انہیں بڑا دکھ ہوا اور انہوں نے دل ہی دل میں کہا: ”ہائے — اے فرزند!“

پھر انہوں نے اپنے تمام غلاموں اور ملازموں کو جمع کیا اور کہا: ”میں نے گزشتہ رات اور آج دن میں محمدؐ کو نہیں دیکھا۔ اس پر مجھے رہ کر خیال آتا ہے کہ کہیں قریش نے ان کو چوری چھپے قتل نہ کر دیا ہو۔ اب صرف ایک ہی ایسی جگہ رہ گئی ہے کہ جہاں میں نے انہیں تلاش نہیں کیا، لیکن میں ان کا وہاں موجود ہونا بعید سمجھتا ہوں۔ پھر انہوں نے اپنے بیس غلاموں کا انتخاب کیا اور انہیں کہا: جاؤ خنجر لے آؤ اور تم میں سے ہر ایک جا کر قریش کے ایک ایک سردار کے پاس بیٹھ جائے۔ اگر میں آؤں اور محمدؐ میرے ساتھ ہوں تو کچھ نہ کرنا۔ لیکن اگر میں آؤں اور محمدؐ میرے ساتھ نہ ہوں تو تم ہر اس سردار کو قتل کر دینا جو تمہارے پاس بیٹھا ہو۔

وہ لوگ گئے اور انہوں نے اپنے خنجر خوب تیز کیے اور لے آئے۔ تب ابوطالبؓ اپنے رشتہ داروں کے ایک گروہ کو لے کر اس مقام کی طرف گئے جہاں انہیں آنحضرتؐ کے ملنے کا گمان تھا۔ وہ مقام جو مکہ کے نشیبی علاقے میں واقع تھا، وہاں انہوں نے آنحضرتؐ کو ایک

چٹان کے پاس نماز پڑھتے ہوئے پایا۔ انہوں نے آنحضرتؐ کو دیکھتے ہی اپنی آنکھوں میں لے لیا اور آپ کے سر و چہرہ پر بوسے دیتے ہوئے کہا: میرے بیٹھے! میرے ساتھ چلو، کیونکہ میں اب تمہاری قوم کے خلاف اقدام کرنے ہی والا تھا۔ پھر انہوں نے آنحضرتؐ کا بازو تھام لیا اور مسجد الحرام کی جانب چل پڑے۔ اس وقت قریش مل کر کعبہ کے نزدیک بیٹھے تھے جب انہوں نے ابوطالبؓ کو رسول اکرمؐ کے ہاتھ میں ہاتھ دیے آتے دیکھا تو کہنے لگے: یہ ابوطالبؓ ہے جو محمدؐ کے ساتھ آ رہا ہے۔ یقیناً اسے ہم لوگوں سے کچھ کام ہے۔ ابوطالبؓ آئے اور ان کے سامنے کھڑے ہو گئے، جب کہ غصے کے آثار ان کے چہرے سے ظاہر تھے۔ تب انہوں نے اپنے غلاموں سے کہا: جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں ہے وہ سامنے کر دو اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب قریش نے ان کے ہاتھوں میں خنجر دیکھے تو کہنے لگے: بلے ابوطالبؓ! یہ کیا چیزیں ہیں؟

ابوطالبؓ نے جواب دیا: وہی جو تم دیکھ رہے ہو۔ بات یہ ہے کہ میں دو دن سے محمدؐ کو تلاش کر رہا تھا اور وہ مجھے کہیں نظر نہیں آتے تھے۔ اس پر مجھے ڈر ہوا کہ مبادا تم نے انہیں قتل کر دیا ہو۔ لہذا میں نے ان لوگوں کو حکم دیا کہ اس جگہ پر بیٹھ جائیں، جہاں تم انہیں دیکھ رہے ہو۔ پھر میں نے انہیں کہا کہ اگر میں آؤں اور محمدؐ میرے ساتھ نہ ہوں تو تم میں سے ہر ایک اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کو قتل کر دے اور اس کے لیے میری اجازت کی ضرورت نہیں، خواہ مارے جانے والے کا تعلق جی ہاشم سے ہی کیوں نہ ہو۔

قریش نے کہا: کیا تم ایسا ہی کرتے؟

ابوطالب نے (خانہ کعبہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا: اس (گھر) کے پروردگار کی قسم! میں ایسا ہی کرتا۔

مطمع بن عدی بن نوفل بن عبدمناف کہ جس نے ابوطالب کے ساتھ پیمانہ باندھ رکھا تھا، اس نے ان سے پوچھا: کیا واقعی تم اپنی قوم کے خلاف یہ اقدام کرنے کا ارادہ رکھتے تھے؟

ابوطالب نے جواب دیا: ”ایسا ہی ہے!“ پھر وہ رسول اکرم کو ساتھ لے کر چلے گئے جبکہ وہ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

اے میرے فرزند (محمدؐ!) چلو کہ تمہارے لیے کوئی ذلت یا خفت نہیں ہے

چلو کہ تمہیں دیکھ کر آنکھیں روشن اور چمکدار ہو گئی ہیں
خدا کی قسم! قریش اپنی کثرت تعداد اور اسلحہ کے باوجود تم پر ہرگز قابو نہ پاسکیں گے

ایسا تبھی ہو سکتا ہے جبکہ میں قبر میں دفن ہو جاؤں
تو نے مجھے اس خدا کی جانب بلایا اور میں سمجھ گیا کہ تم نے یہ کام
خیر خواہی سے کیا ہے

اور تو سچ کہتا ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی تجھے ایمن کہا جاتا تھا
اور تو نے اس دین کی یاد دلائی ہے کہ بلاشبہ وہ

لوگوں کے لیے سب سے بہترین دین ہے
اس واقعہ کے بعد قریش ابوطالب سے نرمی کا سلوک کرتے

تھے لیکن وہ ان سے بات نہ کرتے تھے اور ان کی طرف کوئی توجہ نہ دیتے تھے۔

علامہ امینی کہتے ہیں:

یہ مکہ کے شیخ اور سردار (ابوطالب) ہیں جو رسول اکرم کے مقابلے پر اپنی ساری قوم کو قربان کرنے پر تیار ہیں۔ نیز اس بات پر بھی آمادہ ہیں کہ آنحضرت کی خاطر اپنے تمام قومی تعلقات اور دیرینہ معاہدوں کو نظر انداز کر دیں۔ خدا انہیں الہی جذبے اور دینی پیمانہ پر ثابت قدم رکھے جو ذاتی رشتہ و تعلق کے تمام معاہدوں سے برتر ہے۔

حضرت رسول کا آغاز دعوت

اور ابوطالب

یعنی (اے رسولؐ) تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ۔ (سورہ شعراء - آیت ۲۱۴)
جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو رسول اکرم گھر سے نکل کر کوہ صفا پر پہنچے اور بہ آواز بلند پکارے۔ ”یا صبا حیاہ“
جب لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا:
اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ پر سے ایک لشکر تم پر حملہ کرنے آ رہا ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کر لو گے؟
لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں! ہم نے آج تک آپ سے

کوئی جھوٹی بات نہیں سنی۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے فرمایا: یقیناً میں تمہیں ایک دردناک عذاب سے خبردار کر رہا ہوں۔

ان لوگوں میں سے ابوہلب نے کہا: وائے ہو تم پر! کیا تم نے ہمیں صرف اتنی سی بات کے لیے یہاں جمع کیا ہے۔

اس واقعہ کے بعد رسول اکرمؐ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اپنے گھر پر بلایا۔ اس اجتماع میں ابوہلب نے بولنا شروع کیا اور کہا:

اے محمدؐ! یہ تمہارے چچا اور چچا زاد بھائی ہیں، ان سے بات چیت کرو۔ ہاں — مگر آبا و اجداد کا دین سے ترک کرنے اور نیا دین اختیار کرنے کی بات رہنے دو۔ پھر بھی یہ جان لو کہ تمہارا قبیلہ پورے عرب کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ پس تمہارے یہ رشتہ دار بھی تمہیں گرفتار اور قید کرنے کا سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ لیکن جو بات تمہارے سر میں سمائی ہوئی ہے، اگر تم اس کی خاطر اٹھنا اور کوئی اقدام کرنا چاہتے ہو تو ان کے لیے تمہیں قید کر دینا قبائل قریش کا مقابلہ کرنے سے کہیں زیادہ آسان ہے۔ میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جو اپنے اعزہ و اقربا کے لیے اس سے بدتر تحفہ لیا کہ جو تم لائے ہو۔

ابوہلب کی ان باتوں کے بعد رسول اکرمؐ نے کچھ نہ کہا اور خاموش ہی رہے۔ تاہم اگلے دن آپ نے ان لوگوں کو دوبارہ اپنے ہاں بلایا اور فرمایا: تعریف کے لائق بس خدا ہی ہے اور اس کی حمد و ثنا کرتا ہوں۔ میں اس سے مدد چاہتا ہوں اور اس کی پناہ مانگتا ہوں۔

میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ خدائے وحدہ لا شریک کے علاوہ کوئی خدا نہیں — پھر فرمایا:

کوئی سالار اور دھنما اپنی قوم سے غلط بات نہیں کہتا۔ اس خدا کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، میں خدا کا رسولؐ ہوں، بالخصوص تمہارے لیے اور بالعموم تمام انسانوں کے لیے بھیجا گیا ہوں۔ خدا کی قسم! جس طرح تم سو جاتے ہو، ایک دن اسی طرح جاؤ گے، ہاں موت کے بعد — اس طرح اٹھائے جاؤ گے، جس طرح نیند سے جاگ اٹھتے ہو۔ یہاں تم جو بھی عمل کرتے ہو، اس کا تم سے حساب کتاب لیا جائے گا، اس کے بدلے میں جنت بھی ہمیشہ کے لیے ہوگی اور جہنم بھی ہمیشہ کے لیے ہوگا۔

ابوہلب نے کہا: تمہاری مدد کرنا ہمیں بے حد عزیز ہے، ہم تمہاری خیر خواہی کے لیے تیار ہو گئے ہیں اور تمہاری باتوں کی مکمل طور پر تصدیق کرتے ہیں۔ یہ لوگ جو یہاں بیٹھے ہیں، تم دیکھ رہے ہو کہ یہ سبھی تمہارے رشتہ دار ہیں اور میں بھی انہیں میں سے ایک ہوں۔ لیکن مجھ میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ جو بات تمہیں پسند ہو میں اس کے لیے بہت جلدی کرنے والا ہوں۔ اس لیے اٹھو اور خدا کی طرف سے جو کام تمہیں سونپا گیا ہے، اسے انجام دو۔ خدا کی قسم! میں ہمیشہ تمہارا محافظ اور نگہبان رہوں گا، البتہ میرا نفس اور میرا باطن — عبدالمطلب کے مذہب کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس پر علامہ امینی یہ کہتے ہیں:

خدا کی رحمت ہو بعد المطلب پر کہ ان کا مذہب خدائے تعالیٰ کی توحید، اس کے رسولوں اور ان پر آئی ہوئی آسمانی کتابوں پر ایمان... اور ہر قسم کی بت پرستی سے دوری کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ عبدالمطلب وہی شخص ہیں جنہوں نے اپنی وصیتوں میں یہ اعلان کیا: کوئی ظالم قطعاً اس دنیا سے نہیں جاتا کہ جس سے انتقام لیا گیا ہو اور وہ اپنی سزا کو پہنچ گیا ہو۔ تاکہ وہ ظالم جس نے اس دنیا میں اپنے کیے کی سزا نہ دیکھی ہو وہ آخرت کی تباہی میں جا پڑے۔

جب ان سے ان الفاظ کی وضاحت کرنے کے لیے کہا گیا تو انہوں نے تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہا:

خدا کی قسم! اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہے، جس میں نیکو کار کو اس کی نیکی کا بدلہ ملے گا اور بدکار اپنی بدکاری کی سزا پائے گا۔

عبدالمطلب وہی شخص ہیں جنہوں نے ابراہیمؑ سے کہا تھا:

اس گھر (یعنی خانہ خدا) کا بھی ایک مالک ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے۔ عبدالمطلب وہی شخص ہیں کہ جنگ حنین میں رجز پڑھتے ہوئے رسول اکرمؐ نے بھی ان کی اولاد ہونے پر فخر کیا۔ یہ چیز بجائے خود عبدالمطلب کو باایمان ثابت کرتی ہے جیسا کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

میں پیغمبر ہوں اور جھوٹا نہیں ہوں

میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں

۱۔ خانہ کعبہ پر ابراہیم کے حملے کا واقعہ قرآن مجید کے سورہ نمل میں آیا ہے۔

۲۔ ابن سعد: طبقات، مسلسل صفحہ ۶۶۵ (مصر) + تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۹۔

پس ابوطالب کا یہ کہنا: ”میرا نفس اور میرا باطن عبدالمطلب کے مذہب سے جدا ہونے پر راضی نہیں ہوتا“ درحقیقت عبدالمطلب کے دین توحید کا پیرو ہونے کو ظاہر کرتا ہے اور ان کی دوسری باتوں کی طرح یہ بھی واضح بات ہے لیکن انہوں نے حاضرین کے سامنے گفتگو کا یہ انداز اختیار کر کے اس پر ایک قسم کا پردہ ڈال دیا ہے تاکہ وہ ان سے علیحدگی کا موجب بننے والی دشمنی سے محفوظ رہیں۔ تاہم یہ انداز سخن عربوں میں رائج تھا اور وہ اس اخفا میں درپردہ اپنے نظریے کی تائید کرتے تھے۔ لہذا اگر ہمارے سردار — حضرت ابوطالبؑ کو اور کوئی حیثیت حاصل نہ ہوتی، تو یہی رسول اکرمؐ کے آغاز دعوت میں ان کا یہی طرز عمل ان کے خالص اسلام، ثبات قدم اور ایمان کامل کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہوتا۔

ابن اثیر کہتا ہے:

اس موقع پر ابولمب نے کہا: خدا کی قسم! یہ (محمدؐ) اور اس کی دعوت ایک فتنہ و فساد ہے۔ اس سے پیشتر کہ تمہارے علاوہ دوسرے لوگ اس کے مبلغ بن جائیں، تم اس دعوت و تبلیغ کا راستہ روک دو۔ لیکن ابوطالب نے کہا: خدا کی قسم! ہم جب تک زندہ ہیں اس (محمدؐ) کا دفاع کرتے رہیں گے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ کی طرف سے وہ ضیافت ابوطالبؑ ہی کے گھر میں دی گئی تھی۔ ۱۔

ابوطالب کے فرزند اور امام علیؑ کے بھائی عقیل کہتے ہیں:
 قریش، میرے والد ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے:
 اے ابوطالب! تمہارا یہ بھتیجا (محمدؐ) ہماری محفلوں میں کعبہ
 میں اور ہمارے اس وطن میں ہمیں تکلیف پہنچاتا ہے۔ وہ ہمیں ایک ایسا
 کلام پڑھ کر سنانا ہے جو ہمیں پسند نہیں۔ اگر تم اسے ان باتوں سے
 روکنا مناسب سمجھتے ہو تو اسے روک دو۔

میرے والد نے مجھ سے کہا: اے عقیل! اپنے چچا زاد بھائی
 (محمدؐ) کو ڈھونڈ لاؤ۔ میں گیا اور ان کو ابوطالب کے ایک کچے مکان میں
 پایا۔ میں انہیں وہاں سے باہر لایا اور جب وہ میرے ساتھ چل رہے تھے
 تو ان کا اصرار تھا کہ اسی گھر میں واپس چلے جائیں، تاہم وہ واپس نہ
 ہوئے۔ حتیٰ کہ ہم ابوطالب کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے آپ سے کہا:
 اے بھتیجے! خدا کی قسم کہ تم ہمیشہ میرے مطیع اور فرمانبردار رہے ہو۔ اب
 تمہارا قبیلہ (قریش) یہ سمجھتا ہے کہ تم کعبہ میں اور انکی محفلوں میں انہیں
 تکلیف دیتے ہو۔ نیز تم انہیں وہ کلام پڑھ کر سنانے ہو جو انہیں پسند نہیں
 ہے، پس اگر ممکن ہو تو اس کام سے باز رہو۔

رسول اکرمؐ نے اپنی نظریں آسمان پر گاڑ دیں اور فرمایا:
 میرے پروردگار نے مجھے جس کام کے لیے بھیجا ہے، خدا کی قسم!
 میں اس پر قادر نہیں ہوں کہ اس سے ہٹ جاؤں، چاہے یہ لوگ میرے
 لیے ایک ایسی شعلہ دار آگ روشن کر دیں جو سورج کی طرح
 جلانے والی ہو۔

ابوطالب نے کہا: خدا کی قسم! وہ اپنی بات میں ہرگز جھوٹا نہیں
 ہے۔ اس کی طرف رجوع کرو اور سیدھی راہ پاؤ۔ لہ
 دعوت ذوالعشیرہ کی جو روایت امام علیؑ علیہ السلام سے آئی ہے، اس
 کے سلسلہ بیان میں آپ فرماتے ہیں:

پھر رسول اکرمؐ نے فرمایا: کون ہے جو اس کام میں میری مدد
 کا وعدہ کرے، تاکہ وہ میرا بھائی بنے اور بہشت کا حقدار ہو جائے۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں یہ کام کروں گا۔ حالانکہ اس
 وقت میں سب سے کمسن اور لاغر بدن کا تھا۔ قریش پہلے تو خاموش
 ہو گئے، پھر کہنے لگے: ”اے ابوطالب! کیا تم اپنے بیٹے کو دیکھ رہے ہو؟“
 میرے والد نے کہا: اسے نہ چھیڑو کیونکہ وہ اپنے چچا زاد بھائی
 کے ساتھ بھلائی اور نیکی میں ہرگز کوتاہی نہیں کرے گا۔ لہ

ابو عمرو زہد طبری — تغلب سے اور وہ ابن اعرابی سے
 روایت کرتا ہے کہ اس نے لفظ — الْعَوْر — کے بارے
 میں کہا:

لہ علامہ امینی فرماتے ہیں کہ بخاری نے اپنی تاریخ میں یہ روایت معتبر
 راویوں سے نقل کی ہے۔ اسی طرح محب طبری نے ذخائر العقبیٰ (صفحہ ۲۲۳) میں
 یہی الفاظ لکھے ہیں۔ البتہ تاریخ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۴۲ پر ان کثیر نے اس روایت
 میں سے وہ لفظ حذف کر دیا ہے جس سے ایمان ابوطالب کا ثبوت ملتا ہے۔
 اور شاید اسی کا نام دیا نتداری ہے۔ لہ ابن سعد: طبقات جلد ۱ صفحہ ۱۷۱

غور یعنی — پست بے قیمت اور اس کا ثبوت ابن عباس کی اس روایت سے ملتا ہے جس میں وہ امام علی علیہ السلام کی پوری گفتگو نقل کرتا ہے، حتیٰ کہ وہاں پہنچتا ہے جہاں امام علیؑ فرماتے ہیں:

جو نبی رسول اکرمؐ کچھ فرمانے لگے؛ ابوہمب نے انہیں ٹوک دیا اور خود بولنا شروع کر دیا — اور پھر کہا: اٹھو چلیں — اور قریش اٹھ کر چلے گئے۔ دوسرے دن رسول اکرمؐ نے مجھے دوبارہ حکم دیا تو میں نے پہلے دن کی طرح کھانے پینے کی چیزیں مہیا کیں اور قریش کو بلایا۔ وہ آئے اور انہوں نے کھایا پیا — جب رسول اکرمؐ ان سے خطاب کرنے کے لیے اٹھے تو ابوہمب نے پھر سے انہیں ٹوک دیا۔ نب ابو طالب نے ابوہمب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

اے بد فطرت خاموش رہ! تجھے اس بات سے کیا مطلب؟ اور پھر فرمایا: کوئی نہ اٹھے، یہ سن کر سبھی بیٹھ گئے۔ اب انہوں نے رسول اکرمؐ سے کہا:

میرے سردار! اٹھیے اور جو کچھ کہنا آپ پسند کرتے ہیں کیجیے اور اپنے پروردگار کا پیغام دوسروں تک پہنچائیے، کیونکہ آپ سچے ہیں اور سچے قرار دیے گئے ہیں۔ اے

علامہ امینی کہتے ہیں: یہ ابو طالب — ان پر خدا کی رحمت

لے ابن اثیر: البدایہ - جلد ۳ صفحہ ۵۶ + زرخشری: الفائق جلد ۲ صفحہ ۹۸
+ لسان العرب جلد ۶ صفحہ ۲۹۴ + تاج العروس جلد ۳ صفحہ ۳۲۸

ہو — کتنے اچھے کافر ہیں کہ اپنی تمام ظاہری اور باطنی قوت کے ساتھ خدا کے پسندیدہ دین — اسلام — کا دفاع کرتے ہیں۔ ایسی تند و تیز زبان میں قریش کے سرداروں کو ڈانٹتے ہیں اور رسول اکرمؐ کو خدائے تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے اور لوگوں تک پہنچانے کی ترغیب دیتے اور آنحضرت کو سچا اور سچا قرار دیا ہوا سمجھتے ہیں۔

ابو طالب کی اپنے بیٹے علیؑ کو ہدایت

ابن اسحاق نے کہا ہے:

ایک عالم نے بیان کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نماز کے وقت ابو طالب اور دوسرے رشتہ داروں سے چھپ کر علیؑ کو ہمراہ لیتے اور مکہ کی گھاٹیوں میں جاتے تھے۔ وہاں جا کر وہ دونوں نماز جماعت پڑھتے اور شام کے وقت لوٹ آتے تھے۔ یوں وہ جب تک خدا چاہتا وہاں بھرتے اور تکرار عمل کرتے رہتے تھے۔ پھر ایک دن اتفاق سے ابو طالب نے ان دونوں کو دیکھ لیا کہ وہ دونوں نماز جماعت پڑھ رہے ہیں۔ ابو طالب نے رسول اکرمؐ سے خطاب کرتے ہوئے کہا: میرے بھتیجے! یہ کونسا مذہب ہے جس کی تم ہیروی اور اطاعت کرتے ہو؟

رسول اکرمؐ نے فرمایا: چچا جان! یہ خدا کا، فرشتوں کا، انبیاء کا اور ہمارے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے!

بعض لوگوں کا قول ہے کہ ابو طالب نے علیؑ سے بھی کہا: میرے بیٹے! یہ کونسا مذہب ہے جس کے تم معتقد ہو؟

امام علیؑ نے فرمایا: بابا جان! میں خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لایا ہوں۔ میں نے رسول اکرمؐ کی رسالت کی تصدیق کی، انکی پیروی اختیار کی اور ان کے ہمراہ خدا کی خاطر نماز پڑھتا ہوں۔

اس پر ابوطالب نے امام علیؑ سے کہا: یاد رکھو کہ پیغمبرؐ نے تمہیں بھلائی کے علاوہ کسی چیز کی جانب نہیں بلایا، پس ان سے وابستہ رہو۔ امام علیؑ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ رسول اکرمؐ پر ایمان لائے تو ابوطالب نے ان سے کہا: اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ۔

امام علیؑ کا ایک قول یہ بھی ہے:

میرے باپ نے مجھ سے کہا: میرے بیٹے! اپنے چچا زاد بھائی (پیغمبر محمدؐ) سے وابستہ ہو جاؤ، کیونکہ اس کی پناہ میں تم زمانہ نہ حال اور آئندہ کے ہر خطرے اور مصیبت سے امان میں رہو گے۔

پھر انہوں نے یہ شعر پڑھا:

تمہارے محمدؐ سے وابستہ ہونے پر مجھے اطمینان حاصل ہوا ہے
پس تم اپنے ہاتھوں کو اس کی دوستی اور ہمراہی کے رشتے میں
مضبوطی سے باندھ لو

ابن ابی الحدید مزید کہتا ہے کہ ابوطالب نے اس موقع کی مناسبت

لہ ابن ہشام: سیرت جلد ۱ صفحہ ۲۶۵ + طبری: تاریخ جلد ۲ صفحہ ۲۱۴ + ثعلبی:
تفسیر عیون الاثر جلد ۱ صفحہ ۹۴ + ۱ ص ۱۱۶ صفحہ ۱۱۶ + اسنی المطالب صفحہ ۱۰۰

سے جو اشعار کہے ہیں ان میں یہ بھی ہیں:

سچ تو یہ ہے کہ علیؑ اور جعفر میرے اعتماد اور بھروسے کے قابل ہیں
جب زمانے کی تکلیفیں اور مصیبتیں آپہنچیں

اپنے چچا زاد بھائی (محمدؐ) کی مدد کرو اور اسے سبکس اور تنہا نہ چھوڑو
وہ میرے لیے بمنزلہ بھائی کے ہے اور میرے ماں باپ اس پر فدا ہوں
خدا کی قسم! میں پیغمبر (محمدؐ) کو بے مدد کے نہ رہنے دوں گا
اور میرے شریف فرزندوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کرے گا
مذکورہ بالا تین اشعار سنکری نے اپنی کتاب "ادائل" میں درج کیے
اور لکھا ہے:

ابوطالب اپنے بیٹے جعفر کے ساتھ رسول اکرمؐ کے پاس سے گزرے
تو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں اور علیؑ بھی ان کے ساتھ ہیں۔ انہوں
نے جعفر سے مخاطب ہو کر کہا: تم بھی اپنے چچا زاد بھائی کے ساتھ ہو کر نماز
پڑھو، اس پر جعفر بھی علیؑ کے پہلو میں کھڑے ہو گئے۔ ادھر رسول اکرمؐ کو اس
بات کا علم ہو گیا اور وہ نماز کی امامت کے لیے ان دونوں کے آگے ہو گئے
اور عبادت میں مشغول رہے۔ حتیٰ کہ نماز اختتام کو پہنچی۔ تب ابوطالب یہ شعر
پڑھتے ہوئے خوش خوش واپس آئے:

سچ تو یہ ہے کہ علیؑ اور جعفر میرے اعتماد اور بھروسے کے قابل ہیں
جب زمانے کی تکلیفیں اور مصیبتیں آپہنچیں

لہ ابن ابی الحدید: شرح شیخ الیلاء جلد ۳ صفحہ ۳۱۴ دیوان ابوطالب صفحہ ۳۶

اذاں بعد عسکری نے کچھ اور اشعار نقل کیے ہیں جن کا ابن ابی الحدید نے ذکر نہیں کیا، ان میں سے ایک شعر یہ ہے:
ہم اس پیغمبر کی پشت پینا ہی کرتے ہیں
اور اس کے دشمنوں کو شہابِ ناقب کی طرح مار بھگاتے ہیں۔

ابوطالب نے اپنے بیٹے علیؑ کو

نماز پڑھنے کی اجازت دی

جب رسول اکرمؐ پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی اور آپ نبوت پر مبعوث ہو گئے تو آپ مسجد الحرام میں آئے اور نماز پڑھنے لگے۔ علیؑ ابن ابی طالب جو اس وقت ۹ سال کے تھے، آنحضرتؐ کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا: اے علیؑ! میرے پاس آؤ۔ جب وہ آنحضرتؐ کے پاس آئے تو آپ نے ان سے یوں خطاب فرمایا:
میں بالخصوص تمہارے لیے اور بالعموم تمام انسانوں کے لیے خدا کا رسول ہوں۔ پس تم میری دائیں جانب کھڑے ہو جاؤ اور نماز ادا کرو۔

علی ابن ابی طالب نے جواب دیا: اے خدا کے رسول! میں جا کر اپنے باپ سے اجازت لے آؤں؟

رسول اکرمؐ نے فرمایا: جاؤ۔ وہ تمہیں اجازت دے دیں گے۔

پس علیؑ رسول اکرمؐ کی پیروی کرنے کی اجازت لینے اپنے باپ کے پاس گئے۔ تب ابوطالب نے ان سے کہا: میرے بیٹے! تم جانتے ہو کہ محمدؐ ہمیشہ خدا کے امین رہے ہیں۔ ان کی خدمت میں جاؤ اور ان کی پیروی کرو تاکہ تمہیں کمال اور نجات حاصل ہو۔

علی ابن ابی طالب رسول اکرمؐ کے پاس واپس آئے جو مسجد الحرام میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ بھی آنحضرتؐ کی دائیں جانب کھڑے ہو گئے اور نماز ادا کی۔ اس وقت ابوطالب ان دونوں کے پاس سے گزرے اور دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے پوچھا: اے محمدؐ! تم کیا کر رہے ہو؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: میں آسمانوں اور زمین کے خدا کی عبادت کر رہا ہوں اور میرا بھائی علیؑ بھی میرے ہمراہ ہے، پس جس ذات کی میں عبادت کر رہا ہوں وہ بھی اسی کی عبادت کر رہا ہے اور میں آپ کو بھی خدائے وحدہ لا شریک کی پرستش کی طرف بلاتا ہوں۔ لہ

اس پر ابوطالب مسکرائے، یہاں تک کہ ان کے سفید دانت نظر آ گئے اور پھر انہوں نے یہ اشعار کہے:

خدا کی قسم! قریش اپنی کثیر تعداد اور اسلحہ کے باوجود تم پر قابو نہ پاسکیں گے

مگر۔ اس وقت جب میں قبر میں دفن ہو چکا ہوں گا

ابوطالب نے اپنے بیٹے جعفر کو

نماز پڑھنے کی ہدایت کی

ابوطالب نے دیکھا کہ رسول اکرمؐ اور علیؑ نماز پڑھ رہے ہیں جبکہ علیؑ آنحضرتؐ کے دائیں جانب کھڑے تھے۔ تب انہوں نے اپنے بیٹے جعفرؓ سے فرمایا: اپنے چچا کے بیٹے (محمدؐ) سے وابستہ ہو جاؤ اور ان کی بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھو۔ اس طرح جعفرؓ نے علیؑ سے تھوڑی ہی مدت کے بعد اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ اس بارے میں ابوطالب نے مندرجہ ذیل اشعار کہے:

اے ابابعلیٰ جم جانا چاہیے۔ احمد کے مذہب پر جم جانا چاہیے

دین کے مددگار رہو تاکہ اس مضبوطی کے ساتھ تمہیں توفیق بھی حاصل ہو

(محمدؐ) کے نگہبان اور اس کا دفاع کرنے والے بنو، جو اپنے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ آیا ہے

اور اس راستے میں وفا اور خلوص کو اپناؤ نہ کہ دوری اور بدخواہی (اے جعفرؓ) جب تو نے کہا کہ میں (محمدؐ پر) ایمان لایا ہوں

تو میں خوش ہو گیا

پس خدا کی خاطر اس کے رسولؐ کے مددگار بنے رہو

اور اے محمدؐ! جو تحفہ تم قریش کے لیے لائے ہو اسے ان پر ظاہر

کرد

اور کھل کر اعلان کر دو کہ احمد جادوگر نہیں ہے لہ

برزنجی نے لکھا ہے:

ابوطالب کی رسول اکرمؐ سے والہانہ محبت، تبلیغ رسالت میں ان کی اعزاز اور حفاظت نیز ان کے اقوال کی تصدیق کرنے کے بارے میں روایات تواریخ حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے بیٹے علیؑ اور جعفرؓ کو حکم دیا کہ وہ رسول اکرمؐ کی پیروی اور مدد کریں۔

ان تمام روایات سے بالصرحت پتا چلتا ہے کہ ابوطالب کا دل رسول اکرمؐ پر ایمان سے مالا مال اور لبریز تھا۔ لہ

رسول اکرمؐ سے ابوطالب کا جوش محبت

ابو جعفر محمد بن حمیبؒ اپنی کتاب امانت میں لکھتے ہیں: ابوطالب جب بھی رسول اکرمؐ کو دیکھتے، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جلتے اور وہ کہتے: میں جب اس (محمدؐ) کو دیکھتا ہوں میرے دل میں اپنے بھائی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ رسول اکرمؐ کے والد

لہ اسد الغابہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۴ + ابن ابی الحدید: شرح بیح البلاغ جلد ۲ صفحہ ۳۱۵

الاصابہ جلد ۲ صفحہ ۱۱۶ + سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۶

لہ اسنی المطالب، صفحہ ۶، ۱۰

عبداللہ — حضرت ابوطالب کے سگے بھائی تھے اور ابوطالب و عبدالمطلب کو آنحضرتؐ سے بے حد محبت و ہمدردی تھی۔

ابوطالب کو اس بات کا بہت ڈر رہتا تھا کہ مبادا دشمنوں کو رسول اکرمؐ کی خوابگاہ کا پتہ چل جائے اور وہ آپ پر پتھون ماریں۔ اس لیے وہ رات کے وقت اپنے بیٹے علیؑ کو آنحضرتؐ کے بستر پر سلا دیتے تھے۔ ایک رات علیؑ نے کہا: باباجان! ایسے میں ممکن ہے کہ میں قتل ہو جاؤں۔

ابوطالب نے جواب میں کہا:

میرے بیٹے صبر کرو کیونکہ صبر بہتر ہے۔

اور ہرزندہ مخلوق کو موت کی جانب لوٹنا ہے۔

بلاشبہ میں نے تمہیں اس راستے پر ڈال دیا ہے جس میں سخت

مصیبتیں اور آزمائشیں ہیں۔

یہ آزمائشیں میرے بھائی (عبداللہ) اور اس کے بیٹے (محمدؐ)

کی خاطر جھیلنا ہیں۔

ہرزندہ شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہے خواہ وہ بڑی عمر پا کر بنا کارہ

ہو گیا ہو۔

علیؑ نے اپنے باپ کو جواب دیا:

کیا آپ مجھے احمد یغمبرؑ کی مدد کرنے میں صبر اور ثابت قدمی کا

حکم دے رہے ہیں؟ جب کہ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ میں

نے کہا وہ خوف کی وجہ سے نہ تھا لیکن میں چاہتا تھا کہ آپ میری

اس مددگاری پر غور کریں اور جان جائیں کہ میں ہمیشہ آپ کا مطیع اور

فرمانبردار ہوں، جلد ہی ایسا ہوگا کہ میں — لڑکپن اور جوانی میں قابلِ تعریف اور پیغمبر ہدایت — احمدؑ کی مدد میں جان لڑا دوں گا۔ لہ

علامہ امینی کہتے ہیں:

بلاشبہ قرابت اور رشتہ داری ایک مقررہ حد تک حمایت اور نفرت

کا جذبہ پیدا کرتی ہے، لیکن جب نوبت علیؑ جیسے فرزند کو قربان کرنے تک

پہنچتی ہے جو ان کے باپ (ابوطالب) کے لیے ایک قیمتی متاع ہے۔ اس

مرحلے پر قربانی کا معاملہ ختم ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی موقع نہیں رہتا۔ پھر

باپ کے لیے یہ امر آسان نہیں ہوتا کہ وہ اپنے بیٹے کو ہر رات قتل گاہ میں

بیٹھے اور اسے اپنے بھتیجے کی جگہ سلانے۔ ہاں یہ صرف اس صورت میں ممکن

ہے کہ جب اس میں دینی جذبے کا دخل ہو۔ یہی وہ بات ہے جس سے

ابوطالبؑ کے دین حنیف پر ایمان لانے اور اس کے سامنے سر جھکا دینے

کا ثبوت ملتا ہے۔ نیز ان باپ بیٹے کی مذکورہ بالا شعری گفتگو سے بھی

اسی چیز کا اظہار ہوتا ہے۔ گویا کہ میثار رسول اکرمؐ کی نبوت کا کھلے

بندوں اقرار کرتا ہے اور باپ اس بات سے انکار نہیں کرتا۔ وہ ایسا

بھی نہیں سمجھتا کہ اس کے بیٹے کی یہ جاں نثاری اور ہلاکت پسندی فقط

رشتہ داری کے مضبوط بندھن کی وجہ سے ہے بلکہ وہ جانتا ہے کہ نسبی

تعلق ایسا محرک نہیں ہے جو اس کے بیٹے میں محمدؐ کی مدد کرنے کا

لہ ابن ابی الحدید: شرح بیح البلاء جلد ۳ صفحہ ۳۱۰ - ابوعلی علوی:
المجتہ صفحہ ۶۹

اٹل ارادہ پیدا کرے اور نصرت کے جذبے کو ابھار سکے۔ (پس اس باب
(ابوطالب) اور اس بیٹے (علیؑ) پر خدا کی رحمت ہو۔)

ابوطالب اور ابن زبیری

سیرۃ نویس روایت کرتے ہیں: ایک دن رسول اکرمؐ نماز کے
پلے کعبہ میں گئے۔ جب آپ نماز میں کھڑے ہو گئے تو ابو جہل نے کہا:
کون ہے جو اس شخص (رسول اکرمؐ) کی طرف جائے اور اس کی نماز کو
درہم برہم کر دے؟ اس پر ابن زبیری نامی ایک شخص اٹھا، کچھ خون
اور گوبر ہاتھ میں لیا اور رسول اکرمؐ کے چہرے پر مل دیا۔ آنحضرتؐ نے
نماز سے توجہ ہٹائی، اپنے چچا ابوطالب کے پاس آئے اور فرمایا: چچا جان!
کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ان لوگوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟
ابوطالب نے پوچھا: کون ہے جس نے ایسا کیا ہے؟
آنحضرتؐ نے بتایا: عبداللہ ابن زبیری نے۔

ابوطالب اٹھے، تلوار کھینچ لی اور رسول اکرمؐ کے ہمراہ ان لوگوں
کے پاس پہنچے۔ جب انہوں نے ابوطالب کو دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے۔
لیکن انہوں نے ڈانٹتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! اگر تم میں سے کوئی
اٹھا تو میں اس تلوار سے اسے ڈیھر کر دوں گا۔

یہ سن کر وہ لوگ اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے، حتیٰ کہ ابوطالب ان
کے نزدیک آئے اور آنحضرتؐ سے پھر پوچھا: میرے جان و جگر! تمہارے
ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟

رسول اکرمؐ نے فرمایا: عبداللہ ابن زبیری نے۔

تب ابوطالب نے کچھ خون اور گوبر اٹھا کر ان لوگوں کے چہروں
پر ڈھیول اور کپڑوں پر مل دیا اور انہیں سخت سست کہا۔

اس واقعہ کی تفصیل اور اس میں ابوطالب کے کردار کا ذکر اہل سنت
کی ایک سے زیادہ کتابوں میں ملتا ہے، جو ذاتی اغراض اور دوسرے اسباب
کی بنا پر اب تخریف اور تغیر کا شکار ہو گئی ہیں۔ انشاء اللہ ہم قارئین کو اس
واقعہ کی حقیقت کے بارے میں ”ابوطالب قرآن کے نقطہ نگاہ سے“
کے عنوان کے تحت آگاہ کریں گے۔

ہمارے سردار ابوطالب کا

قریش سے برتاؤ

ابن اسحاق لکھتا ہے:

جب رسول اکرمؐ نے اپنی قوم کے سامنے اسلام کا اعلان کیا اور
خدا نے تعالیٰ کے حکم سے ان کو اس کی دعوت دی تو جہاں تک مجھے علم ہوا ہے
ان کے رشتہ داران سے دور نہیں ہوئے۔ ان لوگوں نے آپ پر اس وقت
تک کوئی اعتراض نہیں کیا، جب تک آنحضرتؐ نے ان کے بتوں کا نام
نہیں لیا اور ان کی مذمت نہیں کی۔ لیکن جب رسول اکرمؐ نے بتوں کو برا
بھلا کہا تو یہ بات ان پر سخت گزری اور وہ آپ کی مخالفت اور عداوت

لے تفسیر قرطبی صفحہ ۴۰۶

میں متحد ہو گئے۔ ان میں سے چند گنہگار اشخاص ایسے تھے کہ خدائے تعالیٰ نے اسلام کے وسیلے سے ان کی حفاظت کی اور دشمنی سے باز رہے۔ اس وقت ابو طالب کو رسول اکرمؐ کے حال پر سچ ہوا، وہ آنحضرتؐ کا دفاع کرنے لگے اور پھر اتنے جوش اور امید کے ساتھ اس کام میں لگے کہ کوئی مشکل آپ کو اس سے باز نہ رکھ سکی۔

ابن اسحاق مزید کہتا ہے:

جب قریش نے ابو طالبؓ سے شکایت کی کہ رسول اکرمؐ ان کے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہیں تو وہ آنحضرتؐ کے پاس آئے اور کہا: میرے بھتیجے! تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے اور انہوں نے یہ باتیں کی ہیں۔ مناسب ہو گا کہ تم مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو اور کسی ایسے کام میں نہ پڑو جس کا سنبھالنا میری طاقت سے باہر ہو۔ رسول اکرمؐ کو خیال ہوا کہ ان کے چچانے ان کے بارے میں شاید اپنی راستے بدل دی ہے۔ یعنی وہ انہیں قریش کے سپرد کرنا چاہتے ہیں اور اب وہ اس قابل نہیں رہے کہ ان کی مدد کریں اور ان کا ساتھ دے سکیں۔ یہ سوچ کر آپ نے فرمایا:

”خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی لاکر رکھ دیں تاکہ میں اپنا مشن ترک کر دوں تو بھی میں ایسا نہیں کروں گا۔ حتیٰ کہ خدا اس دین کی پشت پناہی کرے یا میں اس راستے میں نابود ہو جاؤں“

پھر آنحضرتؐ غمگین ہو گئے اور رو پڑے۔ ازال بعد آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر جانے لگے۔ ابو طالبؓ نے انہیں آواز دی اور کہا:

”اے میرے بھتیجے! واپس آؤ“

رسول اکرمؐ پلٹ کر آئے تو ابو طالبؓ نے کہا:

”میرے بھتیجے! جاؤ اور جو تمہارا جی چاہے کہو، خدا کی قسم! میں تمہیں ہرگز ان لوگوں کے سپرد نہیں کروں گا!“

جب قریش کو یہ پتہ چلا کہ ابو طالبؓ، رسول اکرمؐ کو ان کے سپرد کرنے پر تیار نہیں ہیں، بلکہ انہوں نے ان سے الگ ہو جانے اور مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو وہ عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ان کے پاس لائے اور کہا: اے ابو طالبؓ! یہ عمارہ بن ولید قریش کے ممتاز اور خوبصورت جوانوں میں سے ہے۔ تم اس کی ذہانت اور حمایت سے فائدہ اٹھاؤ اور اسے اپنا بیٹا بنا لو تاکہ اس کا تعلق تم سے ہو جائے اور اس کے بدلے میں اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دو، اس بھتیجے کو جو تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے دین کا دشمن ہے۔ جس نے تمہاری قوم کا باہمی اتحاد تباہ کر دیا ہے اور اب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ ہاں یہ تو ایک شخص کو دوسرے شخص سے تبدیل کرنے کا معاملہ ہے (اور اس میں کوئی حرج نہیں) اس لیے تم محمدؐ کو ہمارے حوالے کر دو تاکہ ہم اسے قتل کر ڈالیں۔

ابو طالبؓ نے کہا: خدا کی قسم! جس چیز کی تم مجھ سے توقع رکھتے ہو وہ بہت ہی بڑی ہے۔ کیا تم اپنے فرزند کو اس لیے میرے

سپر دکر رہے ہو کہ میں اس کی پرورش کروں اور اپنا فرزند تمہیں دے دوں
 تاکہ تم اسے قتل کر دو؟ خدا کی قسم! یہ مجھ سے ہرگز نہ ہوگا۔

مطمع بن عدی بن نوفل نے کہا: اے ابوطالب! خدا کی قسم! قوم کے لوگ تمہاری خدمت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کی کوشش یہ ہے کہ تم جس چیز کو پسند نہیں کرتے وہ اس سے تمہیں نجات دلا دیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم قوم کی اس تجویز کو قبول کر لو۔

ابوطالب نے جواب دیا: خدا کی قسم! قوم (قریش) کے لوگ میری خدمت کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے اور تمہارا بھی بجز مجھے خفیہ کرنے اور ان لوگوں کی مدد کرنے کے کوئی اور مقصد نہیں ہے۔ پس جاؤ اور جو بکچر بھی تم سے بن پڑتا ہے تم بھی کر لو۔

اس پر بات بڑھ گئی، ان کی زبانیں ایک دوسرے کو بڑا بھلا کہنے لگیں، وہ ایک دوسرے کے بالمقابل اٹھ کھڑے ہوئے اور جنگ کی آگ بھڑکنے لگی۔ اس وقت خاص کر مطعم بن عدی اور پھر قبیلہ عبد مناف کا وہ گروہ جو انہیں خفیہ کرنے کے درپے تھا، نیز قریش کا وہ ٹولہ جو ان سے دشمنی رکھتا تھا، ان سب کو مخاطب کرتے اور ان لوگوں کی پیش کی ہوئی تجویز کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے ابوطالب نے یہ اشعار کہے: یاں لے لوگو! ذرا عمرو، ولید اور مطعم سے کہہ دو کہ لے کاش! تم ایسے بوتوں لے کا پالنا میرے لیے مفید ہوتا

لے بوت: اونٹ کا زینچہ

تم وہ بوتے ہو جن کے پیشاب کے قطرے ابھی تک ان کی نڈلیوں پر گر رہے ہیں۔

اور تم تو بس کم ہمت، کمزور اور بڑھ چڑھ کر باتیں بنانے والے ہو میرا روئے سخن بالخصوص "عبد شمس" اور "نوفل" کی طرف ہے انہوں نے ہمیں اس طرح دور پھینک دیا جیسے آگ سے چنگاری گرتی ہے۔

میرا روئے سخن "تیم" "مخزوم" اور "زہرہ" قبیلوں کی طرف بھی ہے۔

جو ہماری ریاست کے آغاز میں ہمارے غلام اور خدمتگار تھے۔ خدا کی قسم! دشمنی اور کینہ اس وقت تک ختم نہیں ہوگا۔ جب تک ہماری تمہاری نسل سے ایک ایک شخص بھی باقی ہے بلاشبہ ان کے بڑے بوڑھوں کی عقل کسی کم سن لڑکے کی طرح ہو گئی۔

اور ایک کسن لڑکے کی سوچ کیا ہی ناقص ہوتی ہے۔ ابن اسحاق کہتا ہے کہ میں نے ان میں سے دو ایسے اشعار حذف کر دیے ہیں، جن میں ابوطالب نے ان لوگوں کو دشنام دی ہے۔ جبکہ علامہ امینی کہتے ہیں: ابن اسحاق نے تین اشعار حذف کر دیے ہیں اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ ایسا کرنے میں اس کا خاص مقصد کیا ہے؟ بلکہ انسان تو اپنے اوپر گواہ ہے، اگرچہ وہ دگناہ کا عذر پیش

کرتا رہے۔ (سورۃ قیامت - آیت ۱۴-۱۵)

جو تین اشعار ابن اسحاق نے حذف کیے وہ یہ ہیں :

اور کینہ سوائے اس بزرگواری اور سرداری کے کسی چیز کے لیے نہیں ہے۔

جو خدانے ہم سے مخصوص فرمائی اور یہ ہمارے لیے مایہ افتخار ہے کہ اس نے ہمیں اس کے لیے چنا۔

وہ لوگ جو حسد اور گہری دشمنی کی بنا پر عزت والوں کے مقابل ہوئے ان کے درمیان ہمیشہ کینہ حاکم ہے۔

ان میں سے ایک "ولید" ہے جس کا باپ ہمارے دادا کا غلام ہے جو سحر کے وقت موٹے موٹے گدھوں کو چرنے کے لیے چراگاہ کی طرف لے جاتا تھا۔

ولید سے مراد وہی ولید بن مغیرہ ہے جو رسول اکرم کا مذاق اڑاتا تھا۔ وہی ابوطالب کے پاس گیا تھا تاکہ آنحضرت کا قریش کے ایک نوجوان سے تبادلہ کر لیں۔ تب اس کے بارے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی :

یعنی (اے رسول!) تم مجھے اور اس شخص کو نبٹ لینے دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا۔ لہ

لہ سورۃ مدثر آیت ۱۱ + یہ آیت ولید بن مغیرہ کی مذمت میں نازل ہوئی، اس کے قبیلے والے اسے "وحید" کہا کرتے تھے تفصیل کے لیے دیکھیے: روض الانف جلد ۱ صفحہ ۱۶۳ + ابن اثیر: الکامل جلد ۳ صفحہ ۴۴۳ + تفسیر خازن جلد ۵ صفحہ ۳۴۵

ابن اسحاق مزید کہتا ہے :

جب ابوطالب نے دیکھا کہ قریش ایسا بڑاؤ کر رہے ہیں تو وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے درمیان اٹھ کھڑے ہوئے اور انھیں رسول اکرم ص کی حمایت کرنے اور ان کے پہلو پہ پہلو قیام کرنے کو کہا۔ اس پر — خدا کے ملعون دشمن ابولہب کے سوا — ان سبھی نے ان کی دعوت قبول کی، ان کے گرد جمع ہو گئے اور ان کے ساتھ مل کر قیام کیا جب ابوطالب نے اپنے ان اقرباء کی کوشش اور اطاعت دیکھی جو ان کی خوشی کا موجب بنی تو انہوں نے ان کی تعریف کی اور انہیں ان کے گزشتہ کارنامے یاد دلانے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے رسول اکرم ص کی برتری کا ذکر کیا اور ان کے درمیان آنحضرت کو جو حیثیت حاصل تھی وہ بھی ان کو بتائی۔ یہ سب کچھ انہوں نے اس لیے کیا تاکہ ان کی اس رائے کو پختہ کر دیں اور وہ لوگ بھی ان کے ساتھ ہو کر رسول اکرم ص کی نبوت پر ایمان لے آئیں۔ اس وقت انہوں نے یہ اشعار کہے :

اگر تمام قریش ایک دن اپنی بڑائی دکھانے اور اپنے افتخارات گننانے کے لیے جمع ہوں۔

تو ان میں سب سے نیک نام اور سخی بنی عبدمناف ہونگے

اور اگر بنی عبدمناف کے سردار بھی جمع ہو جائیں۔

تو ان میں سب سے زیادہ شریف اور ذمی مرتبہ بنی ہاشم ہوں گے۔

اور اگر ایک دن بنی ہاشم بھی فخر کریں تو انہیں محمد پر فخر کرنا چاہیے

کیونکہ وہ ان میں سب سے زیادہ پاک دل اور سخی ہے، نیز خدا کا چننا ہوا ہے۔

قریش کا عہد نامہ اور ابوطالب

قبائل قریش جمع ہوئے اور انہوں نے طے کیا کہ باہم ایک عہد نامہ لکھیں کہ جس کی رو سے وہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے خلاف متحد ہو جائیں۔ نیز یہ عہد کریں کہ ان کے ساتھ شادی بیاہ اور کوئی لین دین نہیں کریں گے۔ اس کے علاوہ ان کی طرف سے صلح کی کوئی تجویز قبول نہیں کریں گے اور ان پر ترس نہیں کھائیں گے۔ وہ اس عہد پر قائم رہیں گے تا وقتیکہ بنی ہاشم رسول اکرم سے علمدگی اختیار نہ کریں اور انہیں قتل کرنے کے لیے ان کے سپرد نہ کر دیں۔

یہ سب باتیں ایک عہد نامے کی شکل میں لکھی گئیں جو منصور بن عکرمہ

لہ ابن ہشام؛ سیرت جلد ۱ صفحہ ۲۷۵-۲۸۳ + ابن سعد؛ طبقات جلد ۸ صفحہ ۱۸۶ + طبری؛ تاریخ جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ تا ۲۳۱ + دیوان ابوطالب صفحہ ۲۲ + روض الانف جلد ۱ صفحہ ۱۸۱-۱۸۲ + ابن ابی الحدید؛ شرح منج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۰۶ + ابن کثیر؛ تاریخ جلد ۲ صفحہ ۱۲۶-۲۵۸، جلد ۳ صفحہ ۴۲-۴۹-۴۸ + عیون الاثر جلد ۱ صفحہ ۹۹-۱۰۰ + ابی الفدا؛ تاریخ جلد ۱ صفحہ ۱۱۷ + سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۶ + طلبة الطالب صفحہ ۹۵ تا ۹۷ + انی المطالب صفحہ ۱۵۱ (اس میں کہا گیا ہے کہ ابوطالب کے یہ اشعار انکے آنحضرت کی نبوت کی تصدیق کرنے کا ثبوت ہیں)۔

نے تحریر کیا اور اس کی ایک نقل کعبہ میں لٹکا دی گئی۔ یہ قریش کا یہ اجتماع حیف بن کنانہ میں ہوا جو ایک رتیلا میدان تھا۔

اس واقعہ کے بعد ابولہب کے علاوہ جو قریش کے ساتھ ہو گیا، تمام بنی ہاشم اور بنی مطلب — ابوطالب کے ہاں جمع ہوئے اور ان کے ساتھ ایک وادی میں چلے گئے۔ جہاں وہ دو سال تک اور بقولے تین سال تک رہے۔ اس وادی میں انہوں نے پوری ثابت قدمی دکھائی۔ یہاں تک کہ خشک گھاس اور درختوں کے پتے چبا کر گزارہ کرتے رہے۔

ابن کثیر لکھتا ہے:

اس وادی میں قیام کے دوران ابوطالب — رسول اکرم کا خاص خیال رکھتے تھے۔ وہ ہر رات ان کے سر ہانے کھڑے ہو جاتے تاکہ دشمنوں کے برے ارادے اور ان کے کسی ممکنہ حملے کو روک سکیں۔

پھر جب سبھی لوگ سو جاتے تو وہ اپنے بیٹوں اور بھائیوں میں سے کسی ایک کو حکم دیتے کہ وہ رسول اکرم کے بستر میں سوتے اور آنحضرت سے کہتے کہ وہ اس شخص کے بستر میں سو جائیں۔

ایک مدت کے بعد خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبر پر وحی نازل کی کہ عہد نامے کے وہ تمام الفاظ کہ جن میں ظالمانہ شرائط لکھی گئی تھیں انہیں دیکھ

لہ قریش کا یہ بنوس عہد نامہ محرم ۱۰ھ ہجرت میں منصور بن عکرمہ بقیع بن عامر، نصر بن حث، ہشام بن عمرو، علی بن ابی طلحہ اور منصور بن عبد سمیت چھ افراد میں سے کسی ایک نے تحریر کیا تھا۔

نے چاٹ لیا ہے اور فقط اللہ کا نام باقی رہ گیا ہے۔

آنحضرتؐ نے اس امر کی اطلاع ابوطالبؓ کو دی تو انہوں نے پوچھا: میرے بھتیجے! کیا تمہیں اس معاملے سے تمہارے پروردگار نے آگاہ کیا ہے؟

رسول اکرمؐ نے جواب دیا: ”جی ہاں!“

تب ابوطالبؓ نے کہا: ٹوٹے ستاروں کی قسم! تم نے مجھ سے ہرگز جھوٹ نہیں کہا۔

اس کے بعد ابوطالبؓ — بنی ہاشم اور بنی مطلب کے ایک گروہ کو لے کر اس وادی سے روانہ ہو گئے، حتیٰ کہ مسجد الحرام میں جا پہنچے۔ قریش کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا اور وہ سمجھے کہ یہ لوگ شدید تکالیف کے مارے وادی سے باہر آگئے ہیں اور محمدؐ کو ہمارے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ابوطالبؓ نے کہا: اے قریش! ہمارے تمہارے درمیان کچھ ایسے مسائل پیدا ہو گئے ہیں جن کی تمہارے عہد نامے میں خاطر خواہ نشاندہی نہیں کی گئی۔ اس لیے تم اپنا عہد نامہ لے آؤ، ہو سکتا ہے کہ ہماری تمہاری صلح ہو جائے۔

یہ بات انہوں نے اس ڈر سے کہی کہ کہیں وہ لوگ عہد نامہ لانے سے پہلے ہی اسے دیکھ نہ لیں اور اس کی حقیقت ان پر واضح نہ ہو جائے۔ ادھر قریش کو اب اس بارے میں کوئی شک نہ تھا کہ ابوطالبؓ اپنے بھتیجے (محمدؐ) کو ان کے حوالے کر دیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے عہد نامہ اپنے پاس رکھا اور اسے کھولنے سے پہلے ابوطالبؓ سے کہا: کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم نے اپنے اور ہمارے درمیان جو بیگاڑ ڈال رکھا ہے اس سے باز آ جاؤ؟

ابوطالبؓ نے جواب دیا: میں تمہارے سامنے ایک تجویز پیش کرتا ہوں جو ہمارے تمہارے درمیان انصاف کر دے گی۔ میرے بھتیجے (محمدؐ) نے مجھے ایک خبر دی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس نے جھوٹ نہیں بولا، وہ خبر یہ ہے:

خدائے تعالیٰ نے تمہارے عہد نامے پر ایک کپڑے کو مسلط کیا، جس نے اللہ کے نام کے علاوہ اس کا کوئی لفظ باقی نہیں چھوڑا۔ اگر صورت حال ایسی ہی ہو، جیسا کہ محمدؐ نے دعویٰ کیا ہے تو تمہیں چاہیے کہ اپنے کام سے ہاتھ کھینچ لو۔ کیونکہ ان حالات میں ہم اسے تمہارے حوالے نہیں کریں گے مگر یہ کہ ہمارا آخری فرد تک مارا جائے۔ تاہم اگر معاملہ اس سے مختلف ہوا اور جو کچھ میرے بھتیجے نے کہا ہے وہ غلط ہو تو ہم اسے تمہارے حوالے کر دیں گے، پھر تمہیں اختیار ہو گا کہ اسے قتل کر دو یا زندہ رہنے دو۔

قریش نے کہا: ہمیں منظور ہے۔ لیکن جب وہ عہد نامہ کھولا گیا تو معلوم ہوا کہ جو کچھ رسول اکرمؐ نے فرمایا وہ درست ہے۔ اس کے باوجود بھی وہ ضد کی بنا پر کہنے لگے: ”یہ کام تمہارے بھتیجے کے جادو کا نتیجہ ہے۔“ بلکہ یہ بات ان کے خصم اور دشمنی میں امانت کا موجب بن گئی۔ جب قریش نے دیکھ لیا کہ اصلیت وہی ہے جس کی رسول اکرمؐ نے خبر دی — تو ابوطالبؓ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: ہاں تو اب ہم کس بنا پر محاصرے اور قید میں رہیں، جبکہ یہ ثابت ہو گیا ہے کہ خود تم لوگ ہی اس

لائی ہو کہ تم سے قطع تعلق کیا جائے اور تم پر سختی کی جائے۔

پھر آپ اپنے ہمراہیوں سمیت خانہ کعبہ کے پردوں کے درمیان پہنچے اور کہا: اے پروردگار! ہمیں اس شخص پر فتح نصیب کر جس نے ہم پر ظلم روا رکھا، ہم سے رستہ داری کے تعلقات توڑ دیے اور جو بائیں نشانہ تھیں وہ اس نے ہمارے لیے مناسب سمجھیں۔

اس واقعہ کے بعد قریش کا ایک گروہ اس عہد نامے کی مخالفت اور اس کی شرائط کو توڑ دینے پر تل گیا۔ اس پر ابوطالب نے یہ اشعار کہے:

کیا خدائے تعالیٰ کے اس عظیم نشان کی خبر ہمارے سمندر کے راستے جانے والے مہاجروں تک پہنچی ہے؟ لہ

وہ عظیم نشان جو ان کے دفاع اور حفاظت کے لیے ظاہر ہوا، کیونکہ خدا لوگوں پر مہربان ہے۔

ان کے لیے وہ بڑی خبر یہ ہے کہ قریش کا عہد نامہ پارہ پارہ ہو گیا اور جس عمل کو خدا کی رضا حاصل نہ ہو، اس میں خرابی ہی خرابی ہے وہ عہد نامہ محض جھوٹ، دھوکا اور جادو کی پوٹ تھا۔

اور ہر جادو اپنا مقصد حاصل کرنے سے پہلے فنا ہو جاتا ہے ہاں! اپنی شخصیت، اپنے باپ دادا اور خاندان کے لحاظ سے بڑا آدمی احمد ہی ہو گا، جبکہ لوگوں میں سے بڑے آدمیوں کو گنا جائے وہ خدا کا پیغمبر اور سنی و شجاع خاندان سے ہے۔

لہٰذا یہ ان مہاجر مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے جو سمندر کے راستے جدتہ گئے تھے۔

اس کے اخلاق اچھے ہیں، وہ صاحب کمال ہے اور اسے خدا کی تائید حاصل ہے۔

وہ بڑے معرکوں میں شجاع ہے، جیسا کہ تمہیں علم ہے۔

وہ ایک چمکتا ستارہ ہے جو روشنی بکھیرتا ہے۔

دوسرے قبیلوں نے ہمارے کارناموں میں کب شرکت کی ہے؟

اور حالانکہ ہم نے بہت پہلے سے باہم دوستی کا پیمانہ باندھ رکھا ہے

اور ہم ایک مدت سے ظلم سمیٹنے پر کبھی تیار نہیں ہوتے۔

اور ہم جو کچھ چاہیں وہ سختی اور زبردستی کے بغیر حاصل کر لیتے ہیں

اے قحقی بن کلاب کے فرزندو! کیا تم ہوش و حواس میں ہو؟

اور کیا تم اس کی کچھ خبر رکھتے ہو جو کل تمہیں پیش آنے والا ہے؟

یہ جان لو کہ میں اور تم اس شخص کی طرح ہیں جس نے کہا:

اے کوہ اسود! تیری زبان ہوتی تو بتاتا کیونکہ کوئی اور گواہ نہیں

ہے لہٰذا

لہٰذا ابن سعد: طبقات جلد ۱ صفحہ ۱۴۳-۱۹۲ + ابن ہشام: سیرۃ جلد ۱ صفحہ ۳۹۹

تا ۴۰۳ + ابن قتیبہ: عیون الاخبار جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ + تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۲

+ استیعاب جلد ۱ صفحہ ۵۰ - حالات سہل بن بیضا + صفحت الصفوۃ - جلد ۱ صفحہ

۲۵۲ + روض الانفت جلد ۱ صفحہ ۲۳۱ + بغدادی: خزائن الادب جلد ۱ صفحہ ۲۵۲

+ ابن کثیر: تاریخ جلد ۳ صفحہ ۸۴-۹۶-۹۷ + عیون الآثار جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ + خصائص الکبریٰ

جلد ۱ صفحہ ۱۵۱ + دیوان ابوطالب صفحہ ۱۳ + سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۵۷ تا ۳۶۷ +

دعوان: سیرۃ جلد ۱ صفحہ ۲۸۶ تا ۲۹۰ + طلبتہ الطالب صفحہ ۹-۱۵-۲۲ ←

قریش کے اس عہد نامے کے بارے میں ابن اثیر لکھتا ہے :

اس عہد نامے، اس کے ظالمانہ مضامین اور اس کو دیکھ کے چلٹ لینے کے متعلق ابوطالب نے کچھ اشعار کہے کہ ان میں سے چند ایک یہ ہیں :
بلاشبہ عہد نامے کے اس واقعہ میں عبرت اور نصیحت ہے۔

اور جب قوم کے غیر حاضر لوگوں کو پتا چلے گا تو وہ تعجب کریں گے۔
خدا نے تعالیٰ نے اس عہد نامے میں سے ان کے کفر اور ناشکرے پتے کی باتوں کو نابود کر دیا۔

اور قریش کی ان مخالفانہ باتوں کو جو انہوں نے سچے پیغمبر کے بارے میں لکھی تھیں۔

پس انہوں نے جو بات کہی تھی وہ غلط ثابت ہو گئی
اور جو کوئی ناحق باتیں بنائے وہ یکسر جھوٹا ہے لہ

وقتِ وفات ابوطالب کی

قریش کو نصیحت

کلبی کہتا ہے :

جب ابوطالب کا وقتِ وفات قریب آپہنچا تو قریش کے سربراہوں نے

اسی المطالب صفحہ ۱۳ تا ۱۴

لہ ابن اثیر - الکامل جلد ۲ صفحہ ۳۶

۱۰۲

اشخاص ان کے گرد جمع ہو گئے، تب انہوں نے وصیت کرتے ہوئے کہا:

اے قریش! تم خدا کی مخلوق میں سے برگزیدہ گروہ اور سرزمین عرب کے کارپرداز ہو۔ تمہارے درمیان ایک قابل اطاعت پیشوا، دلاور سردار اور عفو و درگزر کرنے والا ہادی (محمدؐ) موجود ہے۔ تم جانتے ہو کہ عربوں میں کوئی ایسا افتخار اور بڑائی کا نشان نہیں ہے جو تم نے حاصل نہ کیا ہو نیز کوئی ایسا شرف اور بزرگواری نہیں کہ جو تم نے نہ پائی ہو۔ اسی بنا پر تم دو سرے عربوں سے برتر ہو اور اسی لیے وہ لوگ اپنے معاملات میں تم سے رجوع کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ جنگ بھی کرتے ہیں اور تمہارے مقابلے پر آپس میں اتحاد کرتے ہیں۔

پس سن لو کہ میں تمہیں اس عمارت (کعبہ) کے احترام کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ اس میں خدائے تعالیٰ کی خوشنودی، اقتصادی اور معاشی استحکام اور مصیبت کے وقت تمہاری ثابت قدمی کا راز پوشیدہ ہے۔

اپنے رشتہ داروں سے وابستہ رہو اور ان سے اپنا تعلق نہ توڑو کیونکہ صلہ رحمی طول عمر کا موجب بنتا ہے اور اس سے افراد قبیلہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔

اپنے بڑے لوگوں کے بارے میں ناشکر گزاری اور ان پر زیادتی کرنا چھوڑ دو، کیونکہ یہی دونوں چیزیں اگلے لوگوں کی ہلاکت کا سبب بنتی ہیں۔ دعوت دینے والے کی دعوت قبول کرو اور سائل جو چیز مانگے اسے دیدو، کیونکہ زندگی میں اور موت کے بعد کی بڑائی بھی اسی میں ہے۔

ہمیشہ سچ بولو اور امانت میں خیانت نہ کرو، کیونکہ یہ طریقہ

۱۰۳

اعزہ واقربا میں محبت پیدا کرتا ہے اور عوام الناس میں بزرگواری حاصل ہونے کا موجب ہے۔

میں تمہیں محمد کے ساتھ بھلائی کرنے کی نصیحت کرتا ہوں، کیونکہ وہ قریش میں سب سے بڑھ کر امانتدار (ایمن) اور سارے عرب میں سب سے بڑے راستگو و صادق ہیں، نیز ان میں وہ تمام خصوصیات موجود ہیں کہ جن کی میں نے تمہیں وصیت کی ہے۔ وہ ہمارے لیے ایسی دعوت اور ایسا پیغام لاتے ہیں کہ جسے دل اور روح قبول کرتے ہیں، لیکن زبان بدگو لوگوں کے خوف سے انکار کرتی ہے۔ خدا کی قسم! یوں لگتا ہے جیسے میں دیکھ رہا ہوں کہ عرب کے محنت کشوں، صحرائیوں اور بے کس لوگوں نے محمد کی دعوت پر لبیک کہا، ان کے قول کی تصدیق کی۔ ان کی نبوت کا احترام کیا اور انہیں موت کی سختیاں سہنی پڑی ہیں۔

نیز ان کے اس طرز عمل سے قریش کے بزرگ اور رئیس ان کے مقابلے میں کمتر اور پست ہو گئے، ان کے گھر ویران ہو گئے اور ان میں سے کمزور لوگ سرداری کے رتبے کو پہنچ گئے۔ یہی وہ وقت ہو گا جب کہ ان میں جو سب سے بڑا ہو گا وہ رسول اکرمؐ کا سب سے زیادہ محتاج ہو گا اور جو ان میں سب سے کمزور ہو گا وہ ان سے کچھ زیادہ فائدے اٹھائے گا۔ کیونکہ وہ اپنی عرب دوستی اور محبت کو براہ راست محمد کے لیے خاص کر دے گا، اپنے دل کو ان کے لیے پاک صاف کرے گا اور ان کو اپنا ہادی قرار دے گا۔

اے قریش — خبردار! ہاں اپنے بھائی عبداللہ کے بیٹے محمدؐ

کے بارے میں خبردار رہو — اس سے محبت رکھو اور اس کی جماعت (مسلمین) کے حامی رہو۔

خدا کی قسم! جو شخص اس کی راہ پر چلتا ہے وہ ہدایت پاتا ہے اور جسے اس سے ہدایت مل جائے وہ سعادت مند بن جاتا ہے۔ ہاں تو اگر میری زندگی کچھ بڑھ جاتی اور میری موت میں تاخیر ہو جاتی تو میں انیوالی سختیوں اور مصیبتوں میں محمدؐ کا حامی اور مددگار ہوتا۔ لہذا علامہ امینی کہتے ہیں:

یہ وصیت جو ایمان اور ہدایت سے لبریز ہے، اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ابوطالب نے زبان سے رسول اکرمؐ کی تصدیق کو اپنی قوم کی بدگوئی کے خوف سے زندگی کے آخری لمحات تک ملتوی کر دیا تھا۔ کیونکہ یہ بات مسلمانوں پر ان لوگوں کے شدید حملے اور ان میں کمزوری اور انتشار پیدا کرنے کا موجب بن سکتی تھی۔ نیز اگر ایسے حوادث وقوع پذیر ہوتے تو ابوطالب کے لیے آنحضرتؐ کا دفاع کرنا ممکن نہ ہوتا۔ اگرچہ پہلے دن سے ہی رسول اکرمؐ کی رسالت پر ایمان ان کے قلب و روح میں جاگزیں ہو گیا تھا، لیکن جب ان کی موت کا وقت آ پہنچا اور مذکورہ بالا مصلحت اندیشی

لہذا رض الانف جلد ۱ صفحہ ۲۵۹ + مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ ۷۲ + تاریخ الخلفاء جلد ۱ صفحہ ۳۳۹ + ثمرات الاوراق جلد ۲ صفحہ ۹ + بلوغ الارب جلد ۱ صفحہ ۲۳ + سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۷ + دحلان: سیرۃ جلد ۱ صفحہ ۹۲ + اسنی المطالب صفحہ ۵۔

کی کوئی ضرورت نہ رہی تو وہ جس کو ان کے وجود کے بند بندے نے قبول کر لیا تھا ۱۰ سکو وہ اپنی زبان پر بھی لے آئے اور اپنی جاودانی وصیت کے ذریعے رسول اکرمؐ کے بارے میں وہ سفارشات کیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

وقتِ وفات ابوطالبؑ کی

اپنے خاندان کو وصیت

ابن سعد اپنی کتاب طبقات الکبریٰ میں لکھتا ہے :

جب ابوطالب کی وفات کا وقت آپہنچا تو انہوں نے بنی عبدالمطلب

کو بلا کر ان سے یوں خطاب کیا :

”جب تک تم محمدؐ کی باتیں سنو گے اور ان کے احکام کی پیروی

کرو گے نیکی اور بھلائی کو ہاتھ سے نہیں دو گے، پس ان کی

حمایت اور پیروی کرو تا کہ ہدایت پاؤ۔“

ایک اور روایت میں یوں بیان ہوا ہے :

اے بنی ہاشم! محمدؐ کی تصدیق کرو اور ان کی اطاعت کرو تا کہ

ہدایت اور نجات پاؤ۔ لہ

برزنجی نے اپنی کتاب اسنی المطالب میں ان باتوں کو ابوطالبؑ کے

لہ تذکرۃ الخواص صفحہ ۵ + خصائص الکبریٰ جلد ۲ صفحہ ۳۷۲-۳۷۵ + دحلان :

سیرۃ جلد ۱ صفحہ ۹۲-۲۹۳ + اسنی المطالب صفحہ ۱۰۰۔

ایمان کی دلیل قرار دیا ہے اور پھر اس سے بہتر دلیل ہو بھی کیا سکتی ہے جیسا کہ وہ لکھتا ہے :

میری نظر میں یہ چیز قطعاً ناممکن ہے کہ ابوطالبؑ — رسول اکرمؐ کی متابعت کو ہدایت سمجھیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیں، لیکن خود ہنحضرؐ کی متابعت اور فرما نبرداری نہ کرتے ہوں۔

علامہ ابینی کہتے ہیں :

عقل سلیم اس بات کو تسلیم نہیں کرتی کہ ان تمام حالات اور واقعات میں ابوطالبؑ کے طرز عمل کی وجہ اس کے علاوہ کچھ اور ہو کہ انہوں نے دین حنیف کو قبول کر لیا تھا اور دل سے اس دین کے لانے والے پیغمبر کی تصدیق کر چکے تھے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر وہ کیا سبب تھا جو انہیں قریش کے غضب، سنگدلی اور ایذا رسانی کا مقابلہ کرنے نیز اپنی زندگی کا آرام و آسائش کھو دینے پر آمادہ کرتا تھا۔ خصوصاً اس وقت جب وہ خود اور ان کے خاص رشتہ داروں کا ایک گروہ اس وادی میں دن گزار رہا تھا — جہاں نہ زندگی خوشگوار تھی، نہ سکون حاصل تھا اور نہ ہی خطرہ دور ہوا تھا۔ اس دور میں وہ قریش کی جانب سے سنگدلی، قطع تعلق اور دردناک زیادتیاں برداشت کر رہے تھے۔ ہاں تو وہ کونسی چیز تھی — جس نے انہیں ان سب تکالیف کا مقابلہ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ ایک ایسا دین کہ جس کے صحیح ہونے کا انہیں کوئی یقین نہ تھا اور جس کی حقیقت کو انہوں نے تسلیم نہیں کیا تھا، آیا وہ اس کی خاطر کئی سال کی قید اور محاصرے کی مصیبت مول لے سکتے تھے؟ خدا گواہ ہے کہ ایسا نہیں ہے اور ان سب مصائب کو برداشت کرنے کی

وجہ خدا پران کا پختہ ایمان اور رسول اکرمؐ کی نبوت کے یقین کے سوا کچھ اور نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ وہ زیرک قاری جو ان واقعات کی جزئیات پر غور کرے گا، اس پر یہ بات واضح ہو جائے گی۔

ظاہر ہے کہ فقط رشتہ داری اور قبائلی تعلقات یہ تمام تکالیف برداشت کرنے کا موجب نہیں ہو سکتے، جیسا کہ یہ تعلقات ابوطالب کے بھائی ابولہب کے لیے کوئی ایسا محرک نہیں تھے۔ پھر اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ ابوطالبؑ رسول اکرمؐ سے اپنی رشتہ داری کی بنا پر ان کا دفاع کرتے تھے، تو بھی یہ رشتہ داری اس کا سبب نہیں بن سکتی کہ اس صراحت سے رسول اکرمؐ کی تصدیق کی جائے اور یہ کہا جائے کہ جو کچھ آنحضرتؐ لائے ہیں وہ برحق ہے۔ نیز یہ اعلان کرنا کہ آپؐ مثیل موسیٰؑ اور وہی رسول ہیں جن کی سابقہ کتابوں میں بشارت دی گئی ہے، بلکہ یہ کہنا کہ جو کوئی ان کی پیروی کرے وہ ہدایت پاتا ہے اور جو آنحضرتؐ کے راستے سے منحرف ہو جائے اور سرکشی اختیار کرے — وہ گمراہ ہے۔

علاوہ ازیں ابوطالبؑ کی ایسی ہی اور بھی بہت سی باتیں ہیں جن میں وہ واضح الفاظ میں لوگوں کو رسول اکرمؐ کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں اور یہی ان کے مسلم ہونے کا بین ثبوت ہے۔

ایک حدیث جو ابوطالبؑ کی مروی ہے

اسحاق بن عیسیٰ ہاشمی البزوفی سے اور وہ ابوطالبؑ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے اپنے بھتیجے محمد بن عبد اللہ سے سنا کہ انہوں نے کہا: ان کے

پروردگار نے انہیں صلہ رحمی کے لیے بھیجا اور اس امر کے لیے مبعوث کیا ہے کہ وہ فقط خدا کی پرستش کریں اور اس کے علاوہ کسی کی پرستش نہ کریں — اور (میرے نزدیک) محمدؐ سب سے بڑھ کر صادق اور امین ہیں۔ لے

شیخ ابراہیم حنبلی نے ”نہایت الطلب“ میں ”عروہ ثقفی“ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا:

میں نے ابوطالب رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انہوں نے کہا: میرا صادق اور امین بھتیجا کہ بخدا وہ بے حد سچا ہے، اس نے مجھ کو بتایا کہ خدائے تعالیٰ نے اسے صلہ رحمی برقرار کرتے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کے لیے بھیجا، نیز یہ حکم بھی دیا: ”شکر کرتا رہ تا کہ تجھے روزی ملے اور ناشکر امت بن تا کہ تجھے عذاب نہ دیا جائے“



لہ ابن حجر: اصابہ جلد ۴ صفحہ ۱۱۶ + اسنی المطالب صفحہ ۶ + سید قنار: کتاب الحجۃ صفحہ ۳۶ بروایت ابو نعیم صفحہ ۱ اور بروایت ابو القریح صفحہ ۱۰۰ نیز خطیب بغدادی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔

تیسرا باب

ایمان ابوطالبؑ کے متعلق

آپ کے

اھل و عیال کی رائے



ہاشمی بزرگوں، عبدالمطلب کے فرزندوں اور ابوطالب کی اولاد سے ان (ابوطالب) کے نسخہ الاسلام اور پختہ ایمان کی بلند آہنگ شہادتوں کے علاوہ کوئی اور بات روایت نہیں ہوئی۔ پھر جو باتیں نقل ہوئی ہیں وہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ ابوطالب کے رسول اکرمؐ کی حمایت کرنے کی اس کے سوا کوئی اور وجہ نہ تھی کہ وہ آنحضرتؐ پر ایمان لے آئے تھے اور گھر والا جانتا ہے کہ گھر کے اندر کیا ہے! لہ

ابن اثیر اپنی کتاب جامع الاصول میں لکھتا ہے کہ اہلبیت علیہم السلام کے نقطہ نظر کے مطابق رسول اکرمؐ کے چچاؤں میں سے حمزہؓ، عباسؓ اور ابوطالب کے علاوہ کسی نے اسلام قبول نہیں کیا۔

لہ اهل البيت اذمراي سما في البيت

ہاں تو اہلبیت نے ہر دور میں ہر نسل کے لوگوں کو باصراحت اس حقیقت سے آگاہ کیا اور مخالفین کے مقابلے میں ہمیشہ یہی موقف اختیار کیا۔

۱- ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ جلد سوم صفحہ ۳۱۲ پر لکھتا ہے :

عباس بن عبدالمطلب اور ابو بکر بن ابی قحافہ سے متعدد طریقوں اور مختلف الفاظ میں روایت آئی ہے کہ ابوطالب اس دنیا سے رخصت نہیں ہوئے مگر اس وقت جب انہوں نے کہا: لَدَا إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ چنانچہ یہ ایک مشہور روایت ہے کہ وفات کے وقت ابوطالب نے آہستہ آہستہ کچھ باتیں کیں جو ان کے بھائی عباس نے سُنیں۔ لے

علاوہ ازیں امام علیؑ سے بھی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: ابوطالب دنیا سے نہیں گئے مگر یہ کہ انہوں نے رسول اکرمؐ کی خوشنودی حاصل کر لی۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

جب ابوطالب کی بیماری زور پکڑ گئی تو رسول اکرمؐ نے ان سے فرمایا: اے چچا! وہ بات کہہ دیجیے تاکہ قیامت کے دن میں آپ کی شفاعت کر سکوں۔ جبکہ وہ یاف سے آپ کی مراد کلمہ شہادت تھا۔ ابوطالب

لے ابن ہشام: سیرۃ جلد ۲ صفحہ ۲۷ + بیہقی: دلائل النبوة + ابن کثیر: تاریخ جلد ۲ صفحہ ۱۳۳ + ابن سید الناس: عیون الاثر جلد ۱ صفحہ ۱۳۱ + اصابہ جلد ۳ صفحہ ۱۱۶ + مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ ۷۱ + سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۲ + دحلان: سیرۃ جلد ۱ صفحہ ۸۹ + اسنی المطالب صفحہ ۲۰

نے جواب دیا: اگر طعنوں کا ڈرتے ہوتا اور یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش سمجھیں گے، میں نے وہ بات موت کے خوف سے کہی ہے تو میں یقیناً وہ بات زبان پر لے آتا۔ پھر جب ان کی موت کا وقت آیا اور ان کے ہونٹ ہلے تو عباس نے ان پر کان دھرا اور کہا: اے بھتیجے! بخدا کہ آپ نے انہیں جو بات کہنے کا حکم دیا تھا وہ انہوں نے کہہ دی ہے۔ تب رسول اکرمؐ نے فرمایا: شکر ہے خدا کا۔ اے چچا! شکر ہے اس خدا کا کہ جس نے آپ کو ہدایت فرمائی۔ لے

احمد زینی دحلان، سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۹۴ پر لکھتا ہے :

شیخ حیحی نے شرح بر شرح جوہرۃ التوحید شعرانی میں نیز سبکی اور بعض دیگر مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ عباس بن عبدالمطلب کی مذکورہ بالا روایت بعض صوفیاء پر عالم کشف میں مبنی برحق ثابت ہو چکی ہے اور ان کی نظر میں ابوطالب کے مسلم و مومن ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

علامہ امینی کہتے ہیں :

یہ حدیث ہم نے محض اہل سنت کا ساتھ دینے کے لیے بیان کی ہے۔ ورنہ ابوطالب کو یہ دو جملے زبان سے ادا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ جبکہ انہوں نے اپنی قیمتی زندگی نظم و نثر میں اس کلمہ طیبہ کا اعلان کرنے، اس کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے، مخالفین سے اس کا دفاع کرنے اور آخری دم تک اس کی خاطر تکلیفیں اٹھانے میں گزاری تھی۔ پھر زندگی کے ان

لے ابوالقدار: تاریخ جلد ۱ صفحہ ۱۲ + شعرانی: کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۴

آخری لمحات میں ابوطالب کو کلمہ اسلام کے یہ دو جملے رسمی طور پر زبان سے ادا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ابوطالب اپنی زندگی میں کب کافر یا گمراہ ہوتے تھے کہ وہ ان دو جملوں کو زبان پر لاکر ایمان اور ہدایت سے حصہ پاتے؟ کیا رسول اکرم کی حقانیت پر ایمان رکھنے کی شہادت ان تمام باتوں اور ان اشعار سے نہیں ملتی؟ جو ابوطالب نے کئے اور جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ وہ تمام اشعار اور کلمات ایسے ہیں کہ اگر ان مطالب کے ساتھ رسول اکرم کے کسی صحابی کے اشعار و کلمات ان سے پست بھی ہوتے تو اس کی شہرت کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا اور اس کے فضائل بیان کرنے میں غلو سے کام لیا جاتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ابوطالب خواہ اس سے ہزار گنا بلند آواز میں بھی اپنے اسلام کا اعلان کریں پھر بھی ان لوگوں کے لیے ان کے اسلام پر یقین کرنا دشوار ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ یہ میں بھی نہیں جانتا!

۲- ابن سعد نے طبقات الکبریٰ جلد ۱۵ پر عبید اللہ بن ابی رافع سے اور اس نے امام علیؑ کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

میں نے رسول اکرم کو ابوطالب کی وفات کی اطلاع دی۔ آپ وپڑے اور پھر فرمایا: "جاؤ اور ان کو غسل و کفن دے کہ سپرد خاک کرو۔ خدا ان کی معفرت کرے اور ان پر رحمت فرمائے۔"

یہی بات واقدی کی روایت میں بھی اس فرق کے ساتھ موجود ہے کہ رسول اکرم نے ابوطالب کی خبر وفات سن کر شدید گریہ فرمایا اور پھر کہا جاؤ اور علیؑ

لے اسنی المطالب صفحہ ۲۱ + دلائل النبوة بہتقی + تذکرۃ النحواص صفحہ ۶ ←

اور برزنجی اسنی المطالب کے صفحہ ۳۵ پر لکھتا ہے:

رسول اکرمؐ محض قریش کے جاہل لوگوں کے شر سے مخالف ہو کر ابوطالب کے جنازے پر آئے اور ان کے نماز جنازہ نہ پڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک یہ مشروع نہ ہوئی تھی۔

اسلمی وغیرہ نے نقل کیا ہے:

ابوطالب نے ۱۰ بعثت، نصف شوال میں وفات پائی اور ام المومنین خدیجہ الکبریٰ رضیٰ عنہا سے ۳۵ دن بعد دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سہاڑیں۔ ان دو سانحوں پر رسول اکرمؐ کو بے حد دکھ ہوا اور آپ نے اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) قرار دیا۔ لے

قابل توجہ

ابوطالب کی تاریخ وفات کے بارے میں سنی ماخذ اور شیعہ منابع میں بھی بڑا اختلاف ہے۔ بعض نے ان کی تاریخ وفات وہی بعثت کے دسویں سال، ماہ شوال کے نصف میں بیان کی ہے اور بعض نے (دن کا ذکر کیے بغیر،

+ ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۴ + دحلان: سیرۃ جلد ۱ صفحہ ۹۰ + سخات ابی طالب، برزنجی۔

لے ابن سعد: طبقات جلد ۱ صفحہ ۱۰۶ + مقریزی: امتاع صفحہ ۲۷ + ابن کثیر: تاریخ جلد ۳ صفحہ ۱۳۲ + سیرۃ حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۷۳ + دحلان:

سیرۃ جلد ۱ صفحہ ۲۹۱ + اسنی المطالب صفحہ ۱۱۔

ان کی وفات شوال میں اور بعض نے پہلی ذیقعدہ کو بتائی ہے۔ جبکہ بعض نے ان کی وفات بعثت کے دسویں سال میں شعب ابی طالب سے نکل آنے کے بعد، ارمضان کو اور بعض نے اسی سال ماہ رجب میں بتائی ہے۔

۲- بیہقی، ابن عباس سے نقل کرتا ہے:

رسول اکرمؐ، ابوطالب کے جنازے سے واپس آئے تو آپ فرما رہے تھے: اے چچا! میری آپ کے ساتھ رشتہ داری تھی اور خدا کی طرف سے آپ کو اس کا بدلہ مل گیا ہے۔

اور خطیب کی روایت میں یوں نقل ہوا ہے:

رسول اکرمؐ نے ابوطالب کا جنازہ دیکھا تو فرمایا: اے چچا! میری آپ کے ساتھ رشتہ داری ہے، خدا آپ کو اس کا اچھا بدلہ دے گا۔
تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۴ پر لکھا ہے:

جب رسول اکرمؐ کو بتایا گیا کہ ”ابوطالب فوت ہو گئے“ تو آپ کو بے حد دکھ ہوا اور آپ بہت بے چین ہو گئے۔ پھر آپ ان کی میت پر پیچھے، ان کے دائیں رخسارے کو چار دفعہ اور بائیں کو تین دفعہ مس کر کے فرمایا: چچا جان! آپ نے میرے پچھن میں میری پرورش کی، یتیمی

لہ دلائل النبوة، بیہقی + خطیب بغدادی: تاریخ جلد ۱۳ صفحہ ۱۹۶ +
ابن کثیر: تاریخ جلد ۳ صفحہ ۱۲ + تذکرۃ الخواص صفحہ ۶ + نہایتہ الطلب
شیخ ابراہیم حنفی + طرائف صفحہ ۸۶ + اصابہ جلد ۳ صفحہ ۱۱۶ + سیوطی:
شرح شواہد المغنی صفحہ ۱۳۶۔

میں میری کفالت کی اور جب میں بڑا ہوا تو میری نصرت کی ہے۔ خدا اس پر میری خاطر سے آپ کو جزائے خیر دے۔

بعدہ آپ ان کے تابوت کے پاس گئے اور ان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا: میں آپ کا رشتہ دار ہوں اور آپ کو اس کی نیک جزا مل گئی ہے۔

۴- اسحاق بن عبداللہ بن حارث کا بیان ہے کہ رسول اکرمؐ کے چچا عباسؓ نے کہا: اے خدا کے رسول! کیا آپ کو امید ہے کہ پروردگار عالم ابوطالب پر لطف و کرم فرمائے گا اور انہیں بخش دے گا؟

آنحضرتؐ نے جواب دیا: میں اپنے پروردگار سے ہر خیر کی امید رکھتا ہوں۔ لہ

۵- انس بن مالک نے کہا ہے:

ایک اعرابی رسول اکرمؐ کے پاس آیا اور اس نے عرض کیا:
یا رسول اللہ! ہم آپ کے پاس اس حالت میں آئے ہیں کہ ہماری اونٹنیاں باقی نہیں رہیں اور ہمارے پاس ایک شیر خوار بچے کو سیر کرنے کے لیے بھی دوہر نہیں ہے۔ پھر اس نے یہ اشعار کہے:

لہ طبقات جلد ۱ صفحہ ۱۰۶ پر ابن سعد نے عفان بن مسلم، حماد بن سلمہ، ثابت بنانی اور اسحاق بن عبداللہ ایسے معتمد راویوں سے یہ روایت نقل کی ہے۔ علاوہ ازیں دیکھیے: خصائص الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸ + نہایتہ الطلب شیخ ابراہیم حنفی + طرائف صفحہ ۶۸ + ابن ابی الحدید: شرح نوح البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۱ + سیوطی: تعظیم و المننہ صفحہ ۷۔

ہم اس حالت میں آپ کے پاس آئے ہیں کہ ہماری ٹرکیوں نے اپنے گریبان خون سے تر کر لیے ہیں۔ اور ماؤں نے شدید کمزوری کی وجہ سے اپنے بچوں سے ہاتھ کھینچ لیے ہیں۔

ان میں اپنے بچوں کو گود میں لینے کی سکت نہیں ہے گویا وہ بے فائدہ اور ناکارہ ہو کر رہ گئی ہیں اور جو چیز انسانوں کی خوراک ہے وہ ہمیں نصیب نہیں سوائے حنظل اور درشتوں کے پتوں اور چھال کے اور ہمارے پاس سوائے آپ کی پناہ ڈھونڈنے کے کوئی راستہ نہیں۔

اور پیغمبروں کے علاوہ لوگوں کی پناہ گاہ کون ہو سکتا ہے؟ پس رسول اکرمؐ اس حالت میں اٹھے کہ آپ کی چادر زمین پر گھسٹ رہی تھی۔ آپ منبر پر تشریف لے گئے، خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا بجالائے اور پھر فرمایا: اے پروردگار! تو ہم پر فراواں اور طویل بارش برسا، تاکہ اس کے ذریعے ہماری کھیتیاں اگیں، ماؤں کی چھاتیاں دودھ سے پُر ہو جائیں اور زمین اپنی موت کے بعد اس کے ذریعے دوبارہ زندگی حاصل کرے، جیسا کہ انسان عدم سے وجود میں آتے ہیں۔

ابھی رسول اکرمؐ کی دعا ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ آسمان پر بجلی چمکی اور بارش شروع ہو گئی۔ بارش اتنے زور سے ہوئی کہ سب دلیر اور بہادر لوگ ڈر گئے اور انھوں نے رسول اکرمؐ سے مدد چاہی

اور کہا: یا رسول اللہ! ہم تو ڈوب رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: اے بارش! خود شہر پر نہیں بلکہ اس کے ارد گرد برس جا۔

جونہی آپ نے فرمایا۔ وہ بادل ہٹ گئے جو ایک مرصع تاج کی طرح مدینہ پر چھائے ہوئے تھے۔ اس پر رسول اکرمؐ اس طرح ہنسنے کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے، پھر فرمایا: خدا ابوطالب کو جزائے خیر دے! اگر وہ زندہ ہوتے تو ان کی آنکھوں میں طراوت آجاتی۔ کون ہے جو ہمیں ان کا شعر پڑھ کر سنائے؟ امام علی علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! شاید آپ کی مراد ان کے اس شعر سے ہے:

وا بیض یستسقی الغمام بوجہ
شمال الیتامی عصمہ الارامل لہ

رسول اکرمؐ نے فرمایا: ”ہاں!“

پس انھوں نے ابوطالب کے اس قصیدے کے چند اشعار پڑھے۔ جبکہ آنحضرتؐ منبر پر تشریف فرما تھے اور ابوطالب کے لیے بخشش کی دعا کر رہے تھے۔ دریں اثنا بنی کنانہ میں سے ایک آدمی اٹھا اور اس نے یہ اشعار کہے:

لہ ایسے روشن چہرے والا بزرگ کہ جس کے سامنے آتے ہی ابر پانی سے بھر جاتے ہیں وہ یتیموں کی فریاد کو پہنچنے والا اور بیوہ عورتوں کی پناہ گاہ ہے۔

الہی سپاس تجھے ہی زیبا ہے اور سپاس اس کی طرف سے ہے جو
شکر کرتا ہے

اور ہم نے پیغمبر کے چہرے کی برکت سے بارش کی نعمت حاصل کی ہے
وہ پیغمبر جس نے اپنے پروردگار کو پکارا ہے

یوں پکارا ہے کہ سب کی آنکھیں ان پر لگی ہوتی تھیں

زیادہ دیر نہیں گزری تھی اور درحقیقت ایک سانس سے بھی کم
کہ دعا قبول ہوئی اور ہم نے بارش کے قطرے دیکھے

وہ بڑی تیز بارش تھی اور ابھی بادل پانی سے بھرے تھے
جن کے ذریعے خدائے تعالیٰ نے مصر کی قوم کو سیراب کیا

ٹھیک اسی طرح جیسے پیغمبر کے چچا ابوطالب نے کہا تھا
وہ (محمدؐ) صاحب کمال اور معصوم پیغمبر ہے

اس کی خاطر خدائے تعالیٰ بادلوں سے مینہ برساتا ہے
یہ ایک امر واقعہ ہے جو محتاج بیان نہیں

یہ اشعار سن کر رسول اکرمؐ نے فرمایا: اگر کوئی شاعر اچھے شعر کہتا ہے
تو یقیناً تم اس سے بھی اچھے شاعر ہو۔ لے

لے ماوردی: اعلام النبوة صفحہ ۷۷ + بدائع الصنائع جلد ۱ صفحہ ۲۸۳ + ابن
ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۶ + سیرۃ حلبیہ + عمدۃ الغاری
جلد ۳ صفحہ ۳۳۵ + سیوطی: شرح شواہد المغنی صفحہ ۱۳۶ + زینی دحلان:
سیرۃ جلد ۱ صفحہ ۸۷ + اسنی المطالب صفحہ ۱۵ + طلبۃ الطالب
صفحہ ۳۳۔

برزنجی — اسنی المطالب میں لکھتا ہے:

رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد کہ ”خدا ابوطالب کو جزائے خیر دے“
یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر ابوطالب زندہ ہوتے اور آنحضرتؐ کو منبر پر بیٹھے بارش
کی دعا مانگتے ہوتے دیکھتے تو یقیناً خوش ہوتے اور ان کی آنکھوں میں طراوت
آجاتی۔ ہاں تو رسول اکرمؐ کا ابوطالب کی وفات کے بعد یہ فرمانا اس امر
کا شاہد ہے کہ ابوطالبؓ آنحضرتؐ کی باتیں سن کر خوش ہوتے تھے اور ان
کی آنکھیں روشن ہو جاتی تھیں۔ پس ابوطالب کی یہ کیفیت اس کے علاوہ اور
کسی بات پر دلالت نہیں کرتی کہ وہ رسول اکرمؐ کے کمالات سے آگاہ
تھے اور ان کے نبی ہونے کی تصدیق کر کے ولی مسرت محسوس کرتے تھے۔
علامہ امینی کہتے ہیں:

بہت سے مؤرخین نے رسول اکرمؐ کے بارش طلب کرنے کی داستان
نقل کی ہے اور اس میں سے ”خدا ابوطالب کو جزائے خیر دے“ کے الفاظ
حذف کر دیے ہیں۔ ہمارے قارئین اس تحریف کا مقصد بہتر طور پر سمجھ سکتے
ہیں اور بلاشبہ اس کی وجہ ہماری نگاہوں سے بھی اوچھل نہیں ہے۔

۶۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سوم صفحہ ۳۱۶ پر لکھا ہے:
سیرت اسوانح اور مغازی سے متعلق کتابوں میں آیا ہے کہ جنگ
بدر میں جب ”عنتبہ بن ربیعہ“ یا ”شعیبہ“ نے ابو عبیدہ بن حارث بن
مطلب کا پاؤں کاٹ دیا تو علیؑ اور رسول اکرمؐ کے چچا حمزہؓ
ابو عبیدہ کی مدد کو پہنچے، انہیں بچایا اور عنتیہ کو قتل کر دیا۔ پھر وہ ابو عبیدہ
کو میدان جنگ سے خیمہ خاص میں لے گئے اور ان کو رسول اکرمؐ کے

حضور میں بٹھا دیا، جبکہ اس کے پاؤں کی ہڈی کا گودا نظر آ رہا تھا۔ ابو عبیدہ نے کہا: یا رسول اللہ! اگر ابوطالب زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ انہوں نے یہ بات غلط نہ کہی تھی:

خدا کے گھر کی قسم! تم نے جھوٹ کہا کہ ہم محمدؐ کو چھوڑ دیں گے اور ان کے پہلو میں جنگ کرنے اور ان کی حمایت کرنے پر تیار نہ ہوں گے ہم اس وقت تک ان کی نصرت کر رہے ہیں جب تک ان کے ارد گرد ڈھیر نہ ہو جائیں۔

اور اس مقصد کی خاطر ہم اپنی عورتوں اور بچوں کو بھی بھلا دینگے حاضرین کا کہنا ہے کہ اس دن رسول اکرمؐ نے ابو عبیدہ بن حارث اور ابوطالب کے لیے بھی معفرت کی دعا کی تھی۔

۴۔ روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے عقیل بن ابوطالب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: "اے ابابزید! میں تم سے دو وجوہ کی بنا پر محبت کرتا ہوں۔ ایک تو اس لیے کہ تم میرے رشتہ دار ہو اور پھر اس لیے کہ میں جانتا ہوں، میرے چچا ابوطالب تمہیں کتنی شدت سے چاہتے تھے۔ لہٰذا یہ واقعہ اس بات پر شاہد صادق ہے کہ آنحضرتؐ کو اپنے چچا

۱۔ استیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۰۹ + ذخائر العقبیٰ صفحہ ۲۲۲ + تاریخ الخلفاء جلد ۱ صفحہ ۱۶۳ + یحییٰ عامری: بیحیة المحافل جلد ۱ صفحہ ۳۲۷ + ابن ابی الحدید: شرح بیحیة البلاغ جلد ۳ صفحہ ۳۱۲ + مجمع الزوائد جلد ۹ صفحہ ۲۷۳۔

ابوطالب کے صاحب ایمان ہونے کا یقین تھا۔ ورنہ عام لوگوں کے نزدیک ایک کافر سے محبت کرنے کی کوئی قیمت ہے کہ رسول کریمؐ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت ہو اور وہ بھی اس کی اولاد کے لیے؟ جبکہ رسول اکرمؐ نے جناب عقیل سے یہ بات ان کے ایمان لانے کے بعد کہی ہے۔ لہٰذا

اگر ہم اس مفروضے کو قبول کر لیں کہ ابوطالب نے رسول اکرمؐ کا دین اختیار نہیں کیا تھا، پھر آنحضرتؐ کی ان سے محبت تعجب انگیز نہ ہوگی؟ اور اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز یہ بات ہوگی کہ انہوں نے اس محبت کا اظہار ابوطالب کی وفات کے بعد کیا! بلکہ عقیل سے ابوطالب ہی کی محبت کو ان سے اپنی محبت کا سبب ٹھہرایا!!

۸۔ ابو نعیم اور بعض دوسرے مؤلفین ابن ابوعباس سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابوطالب — رسول اکرمؐ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جتنا وہ آنحضرتؐ کو چاہتے تھے اتنا اپنے بیٹوں کو بھی نہ چاہتے تھے اور ہمیشہ انہیں اپنے بیٹوں پر ترجیح دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آنحضرتؐ کے علاوہ کسی کے ساتھ نہیں سوتے تھے اور جب کبھی باہر جاتے تو آپ کو اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

ابوطالب کی وفات کے بعد قریش نے رسول اکرمؐ کو وہ تکلیفیں دینی شروع کر دیں جو وہ ابوطالب کی زندگی میں نہیں دے سکتے تھے، یہاں تک کہ

۱۔ بیحیة المحافل، یحییٰ عامری

قریش کے احمقوں میں سے ایک احمق نے آنحضرتؐ کے سر پر مٹی ڈال دی۔ تب آپ اس حالت میں گھر تشریف لائے کہ مٹی آپ کے سر پر لگی ہوئی تھی اور آپ کی بیٹی آپ کا سر دھوئے ہوتے رو رہی تھیں۔ رسول اکرمؐ نے انہیں مخاطب کر کے فرمایا: میری بیٹی! روؤ مت۔ کیونکہ خدا تمہارے باپ کا محافظ ہے۔ قبل اس سے کہ ابوطالب کی وفات ہو جائے، قریش نے میری مخالفت میں ایسا کوئی اقدام نہیں کیا تھا۔

ایک اور روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: قریش ہمیشہ سے اس انفرادیت تھے کہ کب ابوطالب کی وفات ہوتی ہے۔ ایک تیسری روایت کے مطابق آپ نے فرمایا: قریش ابوطالب کے سامنے دبے رہے۔ یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے۔ لہ

۹۔ عبداللہ نے کہا: جنگ بدر میں مقتولین قریش کی لاشیں میدان میں پڑی تھیں۔ رسول اکرمؐ نے ان کو دیکھتے ہوئے ابو بکر کو مخاطب کر کے فرمایا: اگر آج ابوطالب زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ ہماری تلواروں نے ان سرداروں اور

لے تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ + تاریخ ابن عساکر جلد ۱ صفحہ ۲۸۴ + مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۶۲۲ + تاریخ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۲ + ۱۳۴ + صفحہ العنوة جلد ۱ صفحہ ۲۱ + زرخشری: الفائق جلد ۲ صفحہ ۲۱۳ + تاریخ النجاشی جلد ۱ صفحہ ۳۵۳ + سیرة حلبیہ جلد ۱ صفحہ ۳۲۵ + فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴ + شرح شواہد المعنی صفحہ ۱۳۶ + اسنی المطالب صفحہ ۲۱۰ + طلیعة الطالب صفحہ ۴، ۵۴۔

دیروں کو اسی طرح نشانہ بنایا ہے، جیسا کہ ابوطالب نے اپنے اس شعر میں کہا تھا:

عظمت کعبہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا ہے، جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اگر وہ حقیقت ہو

تو ہم اپنی تلواریں تمہارے سرداروں اور دیروں پر سونت لیں گے لے
۱۰۔ حافظ ابن فنجویہ نے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ ابن عباس نے امام علی علیہ السلام سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

اگر (رسول اکرمؐ کے) جانشین کا تقرر میری ذمہ داری ہوتی تو میری نظر میں آپ سے بڑھ کر اس عہدے کا مستحق کوئی نہ ہوتا، کیونکہ آپ اسلام لانے میں سبقت کرنے والے ہیں۔ آپ رسول اکرمؐ کے رشتہ دار ہیں اور داماد یعنی مومنہ عورتوں کی سردار فاطمہ زہراؑ کے شوہر ہیں۔ اور اس سے پیشتر آپ کے والد ابوطالب نے بھی رسول اکرمؐ کی خاطر تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ جب قرآن مجید میں سے کچھ نازل ہوا تو ابوطالب نے وہ مجھے دیا تھا۔ اس کے لیے مجھ پر ان کا حق ہے، میری خواہش تھی کہ ان کے بعد میں وہ ان کے فرزندوں کے ذریعے ہی ادا کر دوں۔ لے
علامہ ابینی کہتے ہیں:

ان احادیث میں سے کسی ایک کا مضمون بھی ابوطالب کے کفر سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس کے لیے یہ امور قابل توجہ ہیں:

لے ۱ غانی جلد ۱ صفحہ ۲۸ + طلیعة الطالب صفحہ ۳۸ + کفایت الطالب جلد ۱ صفحہ ۱۲۷

رسول اکرمؐ اپنے خلیفہ (علیؑ) کو ایک کافر (ابوطالبؓ) کے غسل و کفن کا حکم کبھی نہ دیتے اور ان کے لیے مغفرت اور رحمت کی دعا نہ فرماتے۔ (حدیث ۲-۳ میں آپ نے ان کے غسل و کفن کا حکم دیا اور دعائے مغفرت بھی فرمائی ہے)۔

ابوطالبؓ کافر ہوتے تو حضور اکرمؐ ان کے لیے خیر بکد کئی خیر کی آرزو نہ فرماتے۔ (حدیث ۴ میں آپ نے ان کے لیے کئی خیر کی آرزو فرمائی ہے)۔

ابوطالبؓ کافر ہوتے تو آنحضرتؐ ان کے لیے بخشش کی دعا نہ فرماتے۔ (حدیث ۵ میں آپ نے ان کے لیے بخشش کی دعا فرمائی ہے)۔

ابوطالبؓ کافر ہوتے تو نبی اکرمؐ ان کے لیے طلب مغفرت نہ کرتے۔ (حدیث ۶ میں آپ نے ان کے لیے طلب مغفرت فرمائی ہے)۔

ابوطالبؓ کافر ہوتے تو رسول کریمؐ ان کی محبت میں عقیل سے محبت ظاہر نہ کرتے۔ (حدیث ۷ میں آپ نے ابوطالبؓ کی محبت میں عقیل سے محبت ظاہر فرمائی ہے)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی شخص کا کفر ایک مسلمان کو اس کے بارے میں ان اعمال میں سے ایک بھی عمل انجام دینے سے روکتا ہے۔ چہ جائیکہ ایک کافر کے حق میں یہ سارے اعمال انجام دیے جائیں اور ان کے انجام دینے والے بھی خود رسول کریمؐ ہوں، جنہوں نے خدائے تعالیٰ کے یہ ارشادات بیان کیے ہیں:

۱ — جو لوگ خدا اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہیں، تم ان کو خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔ اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے

لوگ ہوں۔ (سورۃ مجادلہ - آیت ۲۲)

۲ — اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم تو ان کے پاس دوستی کا پیغام بھیجتے ہو اور وہ اس دین حق سے انکار کرتے ہیں جو تمہارے پاس آیا ہے۔ (سورۃ ممتحنہ - آیت ۱)

۳ — اے ایماندارو! اگر تمہارے باپ اور بھائی ایمان پر کفر کو ترجیح دیتے ہیں تو تم ان کو اپنے خیر خواہ نہ سمجھو۔ تم میں جو لوگ ان سے الفت رکھیں گے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں (سورۃ توبہ - آیت ۲۳)۔

۴ — اور اگر یہ لوگ خدا اور رسولؐ پر اور جو کچھ ان پر نازل کیا گیا ہے، اس پر ایمان رکھتے تو ہرگز ان کو دوست نہ بناتے۔ (سورۃ مائدہ - آیت ۸۱)

انہی جیسی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔



چوتھا باب



ایمانِ ابوطالبؑ کے بارے میں

معصومین علیہم السلام کے

پاکیزہ کلمات



۱۔ احادیثِ رسولؐ

تمام رازی نے فوائد میں اپنی اسناد کے ساتھ عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

رسول اکرمؐ نے فرمایا: جب قیامت برپا ہوگی تو میں اپنے باپؑ اپنی ماں اور اپنے چچا ابوطالبؓ نیز اس شخص کی شفاعت بھی کروں گا جو ایام جاہلیت میں میرا بھائی تھا۔ ۱۵

تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۶ پر ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: خدائے عزوجل نے مجھ سے چار اشخاص کے بارے میں میری شفاعت قبول کرنی کا وعدہ

۱۵ ذخائر العقبیٰ صفحہ ۷ + درج المبیفہ صفحہ ۷ + مسالک المنفار صفحہ ۱۴

۲۔ کلماتِ امیر المؤمنین علیؑ

امام علیؑ نے اپنے والد کے مرثیے میں یہ اشعار کہے:

ابوطالبؑ، اے پناہ لینے والوں کی پناہ گاہ

اور اے رحمت کی زور دار بارش اور اے اندھیروں کی روشنی

سچ تو یہ ہے کہ آپ کے نہ رہنے سے غیرت مند مردوں کے دل ٹوٹ

گئے اور وہ سست پڑ گئے ہیں

اور نعمتوں کے مالک پروردگار نے آپ پر رحمت نازل کی

اور آپ کو اپنی خوشنودی سے نوازتا رہا

کیونکہ آپ پیغمبرؐ کے لیے واقعی بہترین چچا تھے

اس ضمن میں ابن ابی الحدید نے بھی امام علیؑ سے مندرجہ ذیل اشعار

نقل کیے ہیں:

رات گئے بولنے والے پرندوں کی آوازوں پر میرا دل بھرا آیا

انہوں نے پھر سے مجھے وہ سحت دکھ یاد دلایا

ابوطالبؑ کے اٹھ جانے کا دکھ کہ جو بڑے سخی اور فقروں کی پناہ گاہ

تھے۔

قیبہ تشریح کے لوگ ان کی وفات پر خوش ہوتے ہیں

۱۔ ابن جوزی: تذکرۃ الخواص صفحہ ۶ + دیوان ابوطالبؑ صفحہ ۳۶ +

سید فخر: کتاب الحجۃ صفحہ ۲۲

کیا ہے: میرا باپ، میری ماں، میرا چچا اور میرا ایام جاہلیت کا بھائی۔ ۱۔
ابن جوزی نے اپنی اسناد کے ساتھ امام علیؑ علیہ السلام سے مرفوعاً
روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا:

جبرئیل مجھ پر نازل ہوئے اور کہا: خدائے تعالیٰ آپ پر سلام کے بعد
فرماتا ہے کہ وہ پشت جس نے آپ کو ظاہر کیا، وہ پیٹ جس نے آپ کو
اٹھایا اور وہ رشتہ دار جنہوں نے آپ کی سرپرستی کی، میں نے ان پر دوزخ
کی آگ حرام کر دی ہے۔ وہ پشت — عبداللہ بن عبدالمطلب، وہ پیٹ
— آمنہ بنت وہب اور وہ رشتہ دار آپ کے چچا ابوطالبؑ اور دچچی،
فاطمہ بنت اسد ہیں۔ ۲۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا: جبرئیل نے مجھ سے کہا کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو
چھ اشخاص کے بارے میں خاص شفاعت کا حق عنایت فرمایا ہے:

اس پیٹ کے بارے میں جس نے آپ کو اٹھایا (آمنہ بنت وہب)۔
اس پشت کے بارے میں جس نے آپ کو ظاہر کیا (عبداللہ بن عبدالمطلب)۔
اس رشتہ دار کے بارے میں جس نے آپ کی سرپرستی کی (ابوطالب)۔
اس گھر کے بارے میں جس نے آپ کو پناہ دی (عبدالمطلب)۔
اس شخص کے بارے میں جو ایام جاہلیت میں آپ کا بھائی تھا اور... ۳۔

۱۔ پہلی اور دوسری حدیث میں ایام جاہلیت کے بھائی، کا مطلب رضاعی بھائی ہے۔

۲۔ سیوطی: تعظیم و المنة صفحہ ۲۵۔

۳۔ ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۱۔

۵۔ کلمات امام صادقؑ

امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اصحابِ کف نے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور کفر کا اظہار کیا۔ پس خدا نے تعالیٰ نے انہیں اس کا دگنا بدلہ عطا فرمایا۔ اسی طرح ابوطالب نے بھی ایمان کو پوشیدہ رکھا اور شرک ظاہر کیا، چنانچہ خدا نے انہیں بھی اس کا دگنا بدلہ عنایت فرمایا ہے۔^۱

علامہ امینی کہتے ہیں:

یہ حدیث ثقہ الاسلام شیخ کلینی نے بھی امام صادقؑ سے غیر مرفوع طور پر ان الفاظ میں روایت کی ہے:

ابوطالب کی مثال اصحابِ کف کی سی ہے کہ جنہوں نے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور شرک ظاہر کیا۔ پس خدا نے انہیں اس کا دگنا بدلہ عطا فرمایا۔^۲

سید فخر بن معدنے حسین بن احمد مالکی کے طریقے سے ابن ابی الحدید کی مذکورہ بالا عبارت نقل کی ہے اور اس پر ان الفاظ کا اضافہ بھی کیا ہے:

”ابوطالب اس دنیا سے رخصت نہیں ہوئے یہاں تک کہ انکو خدائے تعالیٰ سے جنت کی بشارت مل گئی“^۳

^۱ ابن ابی الحدید: شرح بیح البلاغ جلد ۳ صفحہ ۳۱۲

^۲ اصول کافی صفحہ ۲۴۲ ^۳ سید فخر کتاب الحجۃ صفحہ ۱۰۷

۶۔ کلمات امام رضاؑ

ابان بن محمد نے امام علی رضا علیہ السلام کے نام ایک خط میں یوں لکھا: میں آپ پر قربان جاؤں، مجھے ایمان ابوطالب کے بارے میں شک ہو گیا ہے۔

امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں لکھا: جو شخص ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول اکرمؐ کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرے تو جہنم پھر گیا ہے ہم بھی اسے ادھر ہی پھیر دیں گے۔ پھر جہنم میں ڈال دیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔^۱ بعد ازیں تم جان لو کہ اگر تم ایمان ابوطالب پر یقین نہیں رکھتے تو تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔

مذکورہ بالا پاکیزہ کلمات میں سے ہر معصوم کا کلام بجائے خود ہمارے دعا یعنی ایمان ابوطالب کی کوثابت کرنے کے لیے کافی ہے، جبکہ یہاں وہ سب پاکیزہ کلمات یکجا ہو گئے ہیں۔ پس یہ ایک قطعی بات ہے کہ وہ ائمہ جو ابوطالب کی اولاد سے ہیں اور اپنی عصمت کی وجہ سے حق و حقیقت کے علاوہ کچھ نہیں کہتے، وہ اپنے جبراً علی کے حالات (اسلام و ایمان) کو دوسروں کی نسبت بہتر طور پر جاننے اور بیان کرنے والے ہیں۔

^۱ سورۃ نسا - آیت ۱۱۵

پانچواں باب



ایمانِ ابوطالبؑ کے اثبات میں

علمائے اہلسنت کے

قیمتی اقوال



۱۔ علامہ برزنجی

مکہ مکرمہ میں شافعیوں کے مفتی نے کیا خوب کہا ہے :

علامہ سید محمد بن رسول برزنجی نے ابوطالبؑ کی نجات کے بارے میں جو روش اپناتی ہے وہ ان سے پہلے کسی نے بھی نہیں اپناتی تھی۔ خدا انہیں اس کا بہترین بدلہ دے۔ ان کی یہ روش ہر انصاف پسند اور باایمان شخص کو خوش کر دیتی ہے کیونکہ اس میں روایات کو جھٹلانے یا ان کے مضامین کو ضعیف ثابت کرنے کا راستہ اختیار نہیں کیا گیا۔ اس کے بجائے انہوں نے اکثر و بیشتر ان کے ایسے اچھے معنی لیے ہیں جو اختلاف آزار کو دور کرتے ہیں۔ رسول اکرمؐ کی آنکھوں کی روشنی کا باعث بنتے ہیں اور ابوطالبؑ کی تنقیص یا ان سے دشمنی کے اس بھنور میں گرنے سے محفوظ رکھتے ہیں کہ جو رسول اکرمؐ کے لیے آزار

کا موجب ہے۔ ۱۵

اس بارے میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے:

جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ کو تکلیف پہنچاتے ہیں، خدا نے ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ ۱۶

نیز یہ بھی فرماتا ہے:

جو لوگ خدا کے رسولؐ کو تکلیف پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک

عذاب ہے۔ ۱۷

۲۔ امام ابن وحشی

امام احمد بن حسین موسلی حنفی (ابن وحشی) نے شرح شہاب الاخبار میں لکھا ہے:

ابوطالب کے ساتھ کینہ رکھنا، کفر کا ارتکاب کرنے کے مساوی ہے۔

۱۵ استی المطالب صفحہ ۳۳

۱۶ سورۃ احزاب - آیت ۵۷

۱۷ سورۃ توبہ - آیت ۶۱

۱۸ شہاب الاخبار - علامہ محمد بن سلام قضاہی (متوفی ۴۵۴ھ) کی تالیف ہے اور امام ابن وحشی نے اس کی شرح لکھی ہے۔

۱۲۲

۳۔ علامہ علی اجہوری

ماکی علمائے اہل سنت سے علامہ اجہوری نے بھی اپنے فتاویٰ میں اس مسئلے کی تائید کی ہے کہ ابوطالب سے کینہ رکھنا کفر کا ارتکاب کرنے کے مساوی ہے۔

۴۔ تلمسانی

تلمسانی - کتاب "شفا" پر اپنے حاشیے میں ابوطالب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ مناسب نہیں کہ ہم ابوطالب کو رسول اکرمؐ کی حمایت کرنے والے کے علاوہ کسی اور حیثیت سے یاد کریں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے قول اور فعل سے رسول اکرمؐ کی حمایت اور نصرت کی ہے۔ پھر ابوطالب کو برائی سے یاد کرنا درحقیقت رسول اکرمؐ کو دکھ دینا ہے اور جو شخص آنحضرتؐ کو دکھ دے وہ کافر ہے اور اسے قتل کر دینا چاہیے۔

۵۔ ابوطاہر

ابوطاہر بھی اس بات کا معتقد ہے کہ جو شخص ابوطالب کے ساتھ کینہ رکھے وہ کافر ہے۔

۶۔ زینبی دحلان

زینبی دحلان نے — اسنی المطالب — کے صفحات ۴۳، ۴۴ پر ایمان ابوطالب کے موضوع پر بڑے بلند پایہ اشعار نقل کیے ہیں۔ چونکہ ان میں سے بہت سے اشعار کا مضمون وہی ہے، جو پہلے ہی مختلف عبارات میں پیش کیا جا چکا ہے۔ اس لیے تکرار سے بچنے اور اختصار کا لحاظ رکھنے کی خاطر وہ اشعار درج نہیں کیے گئے۔

۷۔ قرطبی، سبکی، شعرانی اور دیگر صوفیاء

وہ تمام امور جو نجات ابوطالب کے بارے میں علامہ برزنجی کے تحقیقی نقطہ نظر کی تائید کرتے ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ بہت سے محقق علماء اور اہل کشف صوفیاء بھی نجات ابوطالب کے معتقد ہیں۔ ان اہل کشف میں قرطبی، سبکی، شعرانی اور بہت سے دوسرے صوفی حضرات شامل ہیں جو یہ کہتے ہیں: نجات ابوطالب ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس کا ہم اعتقاد اور یقین رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان کے نزدیک اس امر کے ثابت کرنے کا طریقہ — برزنجی کے طریقہ سے مختلف ہے لیکن اس کے باوجود وہ نجات ابوطالب کے بارے میں ان سے متفق ہے۔ لہذا اس مسئلے میں ان علماء اور صوفیاء کا یہ اعتقاد — خدائے تعالیٰ کے نزدیک لوگوں کے لیے حجت ہے، بالخصوص ان دلائل اور براہین کی ہمراہی میں جو علامہ برزنجی نے اس بارے میں پیش کیے ہیں۔

چھٹا باب



ایمان ابوطالب کے بارے میں

ان کے متعلقین و معتقدین کی

روایات



شیعیانِ اہلبیت میں سے کسی کو بھی ایمانِ ابوطالب کے بارے میں شک و شبہ نہیں ہے اور وہ انہیں اسلام و ایمان کے اعلیٰ مرتبے اور بلند مقام پر فائز سمجھتے ہیں۔ انہوں نے یہ اعتقاد نسلاً بعد نسلِ رسول اکرمؐ کے مخلص صحابہ اور ان کے نیک نفس تابعین اُحسے حاصل کیا ہے۔ نیز انہوں نے ائمہٴ اہلبیتؑ کی ان روایات کے ذریعے اس مسئلے کی حقیقت کو تسلیم کر لیا ہے جن کا سلسلہٴ سندان کے جد بزرگوار رسول اکرمؐ سے متصل ہے اور یوں ان کے مطالب کی درستی ثابت ہو گئی ہے۔

معلم اکبر شیخ مفیدؒ اپنی کتاب "ادائل المقالات" کے صفحہ ۴۵ پر لکھتے ہیں: شیعہ امامیہ اس بارے میں اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ آدمؑ سے

اے صحابہ کے بعد کی نسل کے لوگ جنہوں نے رسول اکرمؐ کو نہیں دیکھا تھا۔

عبداللہ تک رسول اکرمؐ کے تمام آباء اجداد موجد تھے اور خدائے عزوجل پر ایمان رکھتے تھے۔

پھر وہ اس پر یہ اضافہ کرتے ہیں:

شیعہ امامیہ کا اس بات پر اجماع (کامل وحدت نظر) ہے کہ ابو طالبؑ دنیا سے برحیثیت مومن رخصت ہوئے اور رسول اکرمؐ کی والدہ حضرت آمنہ بنت وہب عقیدہ توحید پر قائم تھیں۔

شیخ طوسیؒ، اپنی کتاب ”تبیان“ جلد دوم کے صفحہ ۳۹۸ پر لکھتے ہیں: امام باقرؑ اور امام صادقؑ کے اقوال کے مطابق ابو طالبؑ مسلمان تھے اور اس پر شیعہ امامیہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، کیونکہ ان کے پاس اس کے متعلق ایسے فیصلہ کن دلائل ہیں جو یقین پیدا کرتے ہیں۔

شیخ طبریؒ اپنی تفسیر ”معجم البیان“ جلد دوم کے صفحہ ۲۸۷ پر لکھتے ہیں: ایمان ابو طالبؑ پر اہل بیتؑ کا اجماع ثابت ہو چکا ہے اور یہ اجماع حجت ہے کیونکہ وہ ان نقلین میں سے ایک نقل ہیں جن سے وابستہ رہنے کے لیے رسول اکرمؐ نے لوگوں کو ان الفاظ میں حکم دیا ہے: اگر تم ان دونوں (قرآن و اہلبیتؑ) کا دامن مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے یہ سید فخر بن معد اپنی کتاب ”الحجۃ“ کے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں:

رسول اکرمؐ کے اہلبیتؑ کا اجماع ہمارے لیے ابو طالبؑ کے ایمان پر بطور استدلال کافی ہے اور شیعہ علماء بھی ان کے اسلام و ایمان پر

لے یہاں حدیث ثعلبن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

متفق رائے ہیں۔

جو چیز ان کے خالص اسلام اور اسخ ایمان پر گواہ ہے وہ ان کے اقوال اور افعال کا مجموعہ ہے جنہیں مسلمان اور مومن انسانوں کے علاوہ دوسرے لوگ تسلیم نہیں کرتے لیکن ان سب باتوں کے باوجود فقط اہلبیتؑ کا اجماع ہی اس پر حجت ہے اور اعتماد و اعتبار کے قابل ہے۔

شیخ فتال اپنی کتاب ”روضۃ الواعظین“ کے صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں: جان لو اور آگاہ رہو کہ برحق گروہ (شیعہ) نے ابو طالبؑ، عبد اللہ بن عبد المطلب اور آمنہ بنت وہب کے صاحب ایمان ہونے پر اجماع کیا ہے اور ان کا اجماع حجت ہے۔

سید طاووسؒ، اپنی کتاب ”طرائف“ کے صفحہ ۸۴ پر لکھتے ہیں: یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے شیعہ علماء کو ابو طالبؑ کے ایمان پر متحد و متفق پایا ہے۔

پھر صفحہ ۸۷ پر لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک نہیں کہ عترت (اہلبیت رسولؐ) غیروں کے مقابلے میں ابو طالبؑ کے باطن کا حال بہتر طور پر جانتے ہیں۔ نیز ان کے شیعوں نے بھی اس امر (ایمان ابو طالبؑ) پر اجماع کیا ہے اور ان کے ہاں اس بارے میں مستقل تالیفات بھی موجود ہیں۔ ہم نے کوئی ایسا مسلمان نہ دیکھا اور نہ سنا ہے کہ جو ان (ایمان ابو طالبؑ کے منکر بن) کے برابر دلیل کا طلب گار ہوا ہو۔ تاہم جیسا کہ ہم انہیں جانتے ہیں۔ وہ خبر واحد یا اشارہ بعید کی بنا پر بھی بعض کافروں کے ایمان کی توثیق کرتے

ہیں۔ لیکن محض بنی ہاشم سے دشمنی کے باعث ایمان ابوطالب کا انکا ر کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کے لیے قطعی دلائل موجود ہیں اور یہ بجائے خود ایک حیرت انگیز بات ہے۔

ابن ابی الحدید شرح بیح البلاغہ جلد سوم کے صفحہ ۳۱۱ پر لکھتے ہیں: ایمان ابوطالب کے متعلق لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ اس بارے میں شیعہ امامیہ اور اکثر زیدیہ کا اعتقاد ہے کہ ابوطالب دنیا سے رخصت نہیں ہوئے مگر اس وقت جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اسی طرح بعض معتزلی علماء شیخ ابوالقاسم بلخی اور ابو جعفر اسکافی وغیرہ بھی یہی اعتقاد رکھتے ہیں۔

علامہ مجلسی "بحار الانوار" جلد نہم کے صفحہ ۲۹ پر لکھتے ہیں:

ابوطالب کے قبول اسلام پر شیعہ امامیہ کا اجماع ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ رسول اکرم کے آغاز بعثت ہی میں ایمان لے آئے تھے۔ نیتر انہوں نے ہرگز۔ تمول کی پرستش نہیں کی بلکہ وہ حضرت ابراہیم کے اوصیاء ہیں سے تھے۔ ابوطالب کا ایمان قبول کرنا شیعہ امامیہ کے ہاں زیادہ مشہور ہے۔ حتیٰ کہ تمام مخالفین اس نظریے کو شیعوں ہی سے منسوب کرتے ہیں حالانکہ ایمان ابوطالب کے بارے میں سنی اور شیعہ روایات تو اتنی حد کو پہنچی ہوئی ہیں۔ نیز ہمارے بہت سے علماء اور محدثین نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور یہ بات کتب رجال پر نظر رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

ہمارے اس اتفاق رائے اور اجماع کی بنیاد — سردار مکہ ابوطالب کے بارے میں فقط خاندان نبوت کے بزرگوں کے آثار اور

اقوال ہیں جو کم از کم چالیس احادیث پر مشتمل ہیں۔ اختصار کو ملحوظ رکھنے اور تکرار سے بچنے کے لیے یہاں ان تمام احادیث کی اسناد بیان کی گئی ہیں اور صرف وہ احادیث نقل کی ہیں جو مکرر نہیں ہیں۔

۱ — روایت ہے کہ جبرئیل رسول اکرم پر نازل ہوئے اور آنحضرت کے والدہ والدہ اور چچا ابوطالب پر آتش جہنم کے حرام ہونے کی خبر لائے۔

۲ — روایت ہے کہ جبرئیل رسول اکرم پر نازل ہوئے اور آنحضرت کو اپنے والد اور چچا کی شفاعت کرنے کی اجازت ہونے کی خبر دی۔

۳ — معلم اکبر شیخ مفید لکھتے ہیں:

جب ابوطالب اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تو امام علی نے آکر رسول اکرم کو اطلاع دی۔ آنحضرت یہ خبر سن کر غمگین ہو گئے اور پھر امیر المؤمنین سے فرمایا: تم جا کے ان کے غسل، حنوط اور کفن کا انتظام کرو۔ جب انہیں دفن کرنے کے لیے تخت پر لٹا دیا جائے تو مجھے بھی اطلاع کر دینا۔ امام علی نے ایسا ہی کیا اور جب ان کی میت تخت پر رکھ دی گئی تو آنحضرت وہاں آئے اور ہمت دکھی ہو کر فرمایا: "لے چچا! میری آپ کی

۱۔ ابوعلی قتال: روضۃ الواعظین صفحہ ۱۲۱ + اصول کافی صفحہ ۲۴۲ + شیخ صدوق: معانی الاخبار + سید فخر بن معد: کتاب الحجۃ صفحہ ۸ + ابوالفتح رازی: تفسیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۰۔

۲۔ سید فخر بن معد: کتاب الحجۃ صفحہ ۸

باہم رشتہ داری ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ آپ کو اس کا اچھا بدلہ ملے گا۔ کیونکہ آپ نے پچھن میں میری پرورش کی اور جب میں بڑا ہوا تو آپ میرے معادن و مددگار رہے ہیں۔

پھر آپ لوگوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: "خدا کی قسم! میں اپنے چچا کی اس طرح شفاعت کروں گا کہ اس پر سارے جن اور انسان حیران رہ جائیں گے۔"

شیخ صدوق ^{رحمہ} کی روایت کے مطابق رسول اکرم ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کے الفاظ یہ تھے: "لے چچا! آپ یتیمی میں میرے سرپرست، پچھن میں میرے مرنی اور میری جوانی میں میرے مددگار رہے ہیں۔" خدا نے تعالیٰ آپ کو میری طرف سے اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔"

۴۔ ابوطالب کے لیے رسول اکرم ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کی تمنائے خیر تھی

۵۔ ابوطالب کی محبت میں رسول اکرم ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کا عقیل سے اظہار محبت تھی

۱۔ علی بن ابراہیم: تفسیر صفحہ ۳۵۵ + امالی شیخ صدوق ^{رحمہ} + سید مرتضیٰ: فضول المختارہ صفحہ ۸۰ + کتاب الحجۃ ۶ صفحہ ۶ پر + بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۱۵ + سید شیرازی: درجۃ الرقیعہ + فتویٰ: ضیاء العالمین۔

۲۔ کتاب الحجۃ صفحہ ۱۵ + درجات الرقیعہ ۴ دیگر حوالہ جات حاشیہ صفحہ ۱۱۶ پر ملاحظہ ہوں۔

۳۔ علی الشرائع: شیخ صدوق ^{رحمہ} + الحجۃ صفحہ ۳۴ + بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۱۶

+ دیگر حوالہ جات حاشیہ صفحہ ۱۲۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

۶۔ رسول اکرم ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کو اپنے والد والدہ اور چچا کی شفاعت کرنے کی اجازت ہونا۔ ۱۔

۷۔ امام حسین ^{علیہ السلام} سے روایت ہے کہ میرے والد۔ امیر المؤمنین ^{علیہ السلام} رجبہ میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے ارد گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے اٹھ کر امام ^{علیہ السلام} سے یوں خطاب کیا:

اے امیر المؤمنین! آپ اس وقت اس مرتبے اور مقام پر ہیں جو خدائے تعالیٰ نے آپ کو عنایت کیا ہے جبکہ آپ کا باپ دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہے۔

امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: ایسا کہنے سے باز رہ، خدائے منہ توڑوے! مجھے قسم ہے اس کی جس نے محمد ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ اگر میرا باپ دنیا کے تمام گنہگاروں کی شفاعت کرے تو خدائے تعالیٰ

اس کی شفاعت قبول کرے گا۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میرا باپ تو دوزخ کے عذاب میں گرفتار ہو اور میں اس کا بیٹا ہو کر دوسروں میں بہشت اور دوزخ تقسیم کروں؟ مجھے قسم ہے اس کی جس نے محمد ^{صلی اللہ علیہ وسلم} کو حق کے ساتھ مبعوث

کیا۔ قیامت کے دن ابوطالب کا نور اپنے چمک سے دوسرے لوگوں کے نور کو مات کر دے گا، سوائے پانچ اشخاص یعنی محمد ^{صلی اللہ علیہ وسلم} علی ^{علیہ السلام} فاطمہ ^{علیہا السلام}، حسن ^{علیہ السلام} اور حسین ^{علیہ السلام} کے نور کے جن میں ائمہ مابعد کے نور بھی

۱۔ علی بن ابراہیم: تفسیر صفحہ ۳۵۵، ۳۹۰ + تفسیر البرہان جلد ۳ صفحہ ۷۴ + دیگر حوالہ جات حاشیہ صفحہ ۲۸ پر ملاحظہ ہوں۔

شامل ہیں۔ یاد رکھو کہ ابوطالب کا نور ہمارے اس نور سے ہے جسے خدا تعالیٰ نے آدم کی پیدائش سے ہزار ہا سال پہلے تخلیق فرمایا تھا۔ لہٰذا
۸ — امیر المومنینؑ نے فرمایا:

خدا کی قسم! میرے باپ (ابوطالب) اور میرے دادا عبدالمطلب
بیزہاشتم اور عبدمناف نے ہرگز بتوں کی پرستش نہیں کی۔
آپ سے پوچھا گیا: پھر یہ چاروں کس کی عبادت کرتے تھے؟
آپ نے فرمایا: وہ کعبہ کی طرف منہ کر کے دین ابراہیم کے مطابق نماز
ادا کرتے تھے۔ ۷

۹ — ابوظیف عالم بن واثلہ سے روایت ہے کہ امام علیؑ نے فرمایا: جب میرے
والد کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اکرمؐ ان کے پہلو میں تشریف
فرما ہوئے۔ تب آپ نے مجھے ان کے بارے میں وہ (یعنی شفاعت کا)
خبر دی جو میرے لیے دنیا اور جو کچھ اس میں ہے اس سے زیادہ قیمتی
ہے۔ ۷

۱۰ — شیخ ابوالحسن بن شاذان: مناقب المآثمہ + کراچی: کنز الفوائد صفحہ ۸۰ +
ابن شیخ: امالی صفحہ ۱۹۲ + احتجاج طبرسی + ابوالفتوح رازی: تفسیر جلد ۴
صفحہ ۲۱۱ + الحجۃ صفحہ ۱۵ + درجات الرفیعہ + بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۱۵
+ ضیاء العالمین + تفسیر البرہان جلد ۳ صفحہ ۹۴ -
۱۱ — شیخ صدوق: المال الدین صفحہ ۱۰۴ + ابوالفتوح رازی: تفسیر جلد ۴ صفحہ
۲۱۰ + تفسیر البرہان جلد ۳ صفحہ ۹۵ -
۱۲ — کتاب الحجۃ صفحہ ۲۳ + فتویٰ: ضیاء العالمین۔

۱۰ — امیر المومنینؑ نے فرمایا:

ابوطالب دنیا سے نہیں گئے مگر اس وقت جب رسول اکرمؐ نے
ان سے اپنی خوشنودی ظاہر فرمادی تھی۔

۱۱ — شعبی لکھتا ہے کہ امیر المومنینؑ نے فرمایا:

خدا کی قسم! ابوطالبؑ مسلم اور مومن تھے، وہ بنی ہاشم کے ساتھ
قریش کی دشمنی اور کینہ کے پیش نظر اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے۔
ابوعلیٰ مومنینؑ بھی ایمان ابوطالبؑ کے اثبات میں امام علیؑ کا وہ مرثیہ
پیش کرتا ہے جو آپ نے اپنے والد ماجد کی وفات پر کہا اور ہم نے
وہ پاکیزہ کلمات کے تحت نقل کیا ہے۔ ۷

۱۲ — امیر المومنینؑ سے ابصغ بن نباتہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک
دن جب رسول اکرمؐ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے، ابن زبیری نے خون
اور گوبر لاکر آپ کے چہرے اور کپڑوں پر مل دیا۔ اس کے بعد ابوطالبؑ
وہاں آئے اور آپ کو دیکھ کر کہنے لگے: اے محمد! آپ بیغمبر ہیں! آپ
سید سردار اور نیکو کار ہیں۔ پھر انہوں نے پوچھا: یہ سب کس نے
کیا ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: عبداللہ ابن زبیری نے!

تب ابوطالبؑ ان لوگوں کی طرف گئے اور انہوں نے بھی ابن
زبیری اور ان کے ساتھیوں کے چہروں اور کپڑوں پر خون

۷ — کتاب الحجۃ صفحہ ۲۴ + دیگر حوالہ جات حاشیہ ۱ صفحہ ۱۳ پر ملاحظہ ہوں۔

اور گوبرل دیا۔ اس کے ساتھ ہی انہیں سختی سے ڈانٹا۔ ۱۵

۱۳۔ امام علیؑ نے فرمایا: ایک بار ابوطالب اچانک میسرے اور رسول اکرمؐ کے پاس پہنچے جب کہ ہم سجدے میں تھے۔ انہوں نے کہا: کیا تم وہ نماز بجالاتے؟ پھر میرا ہاتھ پکڑ کر کہا: خیال رکھو کہ تم کو کس طرح اس پیغمبرؐ کا ساتھ دینا ہے اور پھر مجھے اس کی تشویق اور ترغیب دینے لگے۔ ۱۶

۱۴۔ روایت کی گئی ہے کہ امیر المؤمنینؑ سے پوچھا گیا: رسول اکرمؐ سے پہلے زمانے کا آخری وصی کون تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: ”میرا باپ!“ ۱۷

۱۵۔ امام سجادؑ سے کہا گیا کہ کیا ابوطالب ایمان لائے تھے یا نہیں؟

امام نے فرمایا: ”ہاں! وہ ایمان لائے تھے۔“

کہا گیا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کافر تھے۔

امام نے فرمایا: ”بڑی عجیب بات ہے! کیا ایسا کہنے سے ان کا مقصد ابوطالبؑ یا رسول اکرمؐ پر طعنہ زنی کرنا ہے؟ حالانکہ خدائے تعالیٰ نے ایک مومنہ عورت کو کافر مرد کے نکاح میں رہنے

۱۶۔ کتاب الحجۃ صفحہ ۱۰۶ + صفحہ ۱۰۷: نزہۃ المجالس جلد ۲ صفحہ ۱۷۲ + جمودی: ثمرات الادراک جلد ۲ صفحہ ۳ + اس کتاب کا صفحہ ۸۷-۸۸ بھی دیکھیں۔

۱۷۔ شرح الاخبار ابن فیاض + ضیاء العالمین فتویٰ۔

۱۸۔ ضیاء العالمین فتویٰ۔

دینے سے منع فرمایا اور یہ بات قرآن مجید کی ایک سے زیادہ آیات میں بیان فرمائی ہے۔ پھر کسی کو اس بات میں بھی شک نہیں کہ امام علیؑ کی والدہ — فاطمہ بنت اسدؑ — سب سے پہلے ایمان لانے والی عورتوں میں سے تھیں اور جب تک ابوطالبؑ زندہ رہے وہ انہی کے گھر میں تھیں، اس بنا پر ابوطالبؑ کا فرہو ہی نہیں سکتے۔ ۱۶

۱۶۔ ابو بصیر لیث مرادی کا کہنا ہے کہ میں نے امام باقرؑ سے پوچھا: میرے مردار! لوگ کہتے ہیں کہ ابوطالبؑ جہنم کے ایک گڑھے میں ہے۔ جس کی گرمی سے اس کا مغز جوش کھا رہا ہے۔

امام نے فرمایا: خدا کی قسم! وہ جھوٹ کہتے ہیں۔ اگر ابوطالبؑ کا ایمان ترازو کے ایک پلڑے میں اور ان لوگوں کا ایمان دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو ابوطالبؑ کا ایمان بھاری رہے گا۔ ۱۷

۱۷۔ امام صادقؑ کا یہ ارشاد کہ ابوطالبؑ کے ایمان کی مثال اصحاب کف کے ایمان کی سی ہے۔ ۱۸

۱۸۔ اسحاق نے اپنے باپ جعفر سے روایت کی ہے کہ امام صادقؑ

۱۹۔ کتاب الحجۃ صفحہ ۲۴ + درجات الرضیعہ + ضیاء العالمین۔

۲۰۔ صفحہ ۱۸ + = + = = =

۲۱۔ اصول کافی صفحہ ۲۴۴ + امالی شیخ صدوق صفحہ ۳۶ + روضۃ الواعظین

صفحہ ۱۲۱ + کتاب الحجۃ صفحہ ۱۱۵۔ نیز یہی حدیث تغیر لفظی کیساتھ ان کتابوں میں بھی ہے؛

بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۲۴۴ + ابوالفتوح رازی: تفسیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۲ + درجات الرضیعہ +

ضیاء العالمین۔

سے کہا گیا: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ابو طالب کا فرقتے۔

امام نے فرمایا: وہ لوگ جھوٹے ہیں اور ایسا کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ ابو طالب نے کہا ہے:

کیا تم نہیں جانتے کہ ہم محمد کو ایک رسول سمجھتے ہیں
ہو سکتا جیسا کہ جس کا ذکر پہلی کتابوں میں بھی ہے۔

یہ حدیث بہت سے محدثین نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہے۔ ۱۹۔

ایک روایت کے مطابق کچھ لوگوں کے ابو طالب کو کافر کہنے کے
جواب میں امام صادق نے یوں فرمایا:

ابو طالب کیونکر کافر ہو سکتے ہیں جبکہ انہوں نے کہا: وہ ضرور
جانتے ہیں کہ ہماری طرف سے ہمارے فرزند محمد کی تکذیب نہیں
ہوئی۔

اور ہم اس کے بارے میں شیطانوں کی باتوں پر توجہ نہیں دیتے۔
محمدؐ وہ معصوم ہے جس کا چہرہ دیکھ کر ابر پانی سے بھر جاتا ہے

وہ یتیموں کی جائے پناہ اور بیوہ عورتوں کا نگہبان ہے ۲۰۔
امام صادق کے قول کے مطابق ابو طالب نے قریش کو وصیت کی کہ
تمہارے درمیان ایک قابل اطاعت پیشوا، دلاور سردار اور غفور و درگزر
کرنے والا ہادی (محمدؐ) موجود ہے۔ ۲۱۔

۱۹۔ اصول کافی صفحہ ۲۴۴ ۲۰۔ اصول کافی صفحہ ۲۴۴ + تفسیر البرہان ۳۰ صفحہ ۷۹۵۔

۲۱۔ روضۃ الواعظین صفحہ ۱۲۱ + بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۲۳ + دیگر حوالہ جات اس
کتاب کے صفحہ ۱۰۴ پر حاشیہ ۱ میں ملاحظہ ہوں۔

۲۱۔ محمد بن مروان سے روایت ہے کہ امام صادق نے فرمایا: ابو طالب

ظاہراً کفر پر رہتے ہوئے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ جب ان کی
وفات کا وقت آیا تو خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو وحی بھیجی کہ مکہ چھوڑ
دو۔ کیونکہ ابو طالب کے بعد اس شہر میں تمہیں کوئی معاون و مددگار
نہیں ملے گا۔ چنانچہ اسی حکم الہی کے تحت آنحضرتؐ نے مدینہ کی
جانب ہجرت فرمائی تھی۔ ۱۔

یہ بات رسول اکرمؐ کی نبوت پر یقین و تحقیق کے ساتھ ابو طالب کے
ایمان اور ان کے کار تبلیغ کو تقویت دینے کا ثبوت ہے۔ ۲۔

جب ابو طالب فوت ہو گئے تو جبریل رسول اکرمؐ پر نازل ہوئے
اور کہا کہ خدائے تعالیٰ آپ کو سلام بھیجتا ہے اور فرماتا ہے: آپ کی قوم قریش
نے باہم طے کر لیا ہے کہ وہ رات کے وقت آپ کو گھر ہی میں قتل کر دیں۔
چونکہ اب آپ کے حامی اور مددگار ابو طالب فوت ہو چکے ہیں، اس لیے آپ
مکہ چھوڑ جائیں۔ اس طرح خدائے تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کا حکم دیدیا۔
آپ اس حدیث پر تھوڑی توجہ دیں اور دیکھیں کہ خدائے تعالیٰ نے
اس بات کی گواہی دی ہے کہ ابو طالب، رسول اکرمؐ کے مددگار تھے اور
یہ گواہی ان کے لیے انتہائی عزت اور فخر کا موجب ہے۔ ۳۔

۱۔ شیخ صدوق: اکمال الدین صفحہ ۱۰۳ + کتاب الحجۃ صفحہ ۳۰

۲۔ سید مرتضیٰ: فصول المتآثرہ صفحہ ۸۰

۳۔ " " " " صفحہ ۱۰۳

۲۲۔ یونس بن نباتہ سے روایت ہے کہ امام صادقؑ نے مجھ سے پوچھا: اے یونس! عام لوگ ابوطالب کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا: قربان جاؤں! لوگ کہتے ہیں کہ وہ دوزخ کے ایک گڑھے میں ہیں اور اس میں ان کا جسم یا سر جوش کھا رہا ہے۔ امامؑ نے فرمایا: وہ اللہ کے دشمن — جھوٹے ہیں۔ کیونکہ ابوطالبؑ، انبیاءؑ، صدیقینؑ، شہداء اور صالحین کے ساتھیوں میں ہیں اور وہ بہترین ساتھی ہیں۔ اے

۲۳۔ شیخ صدوقؒ — داؤد رقی سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں ابا عبد اللہ امام صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ میں نے ایک شخص سے قرضہ وصول کرنا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ وہ اس کی ادائیگی میں تاخیر کرے گا، پس میں نے امامؑ سے اپنی اس پریشانی کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا: جب تم مکہ جاؤ تو عبدالمطلب کی نیابت میں کعبہ کا طواف کرو اور ان کی طرف سے دو رکعت نماز پڑھو۔ علاوہ ازیں ابوطالب بن عبدالمطلب، عبد اللہ بن عبدالمطلب، فاطمہ بنت اسد اور آمنہ بنت وہب کی نیابت میں بھی طواف کرو اور ان میں سے ہر ایک کی جانب سے دو رکعت نماز ادا کرو۔ پھر خدا سے دعا کرو کہ تمہارا مال تمہیں وصول ہو جائے۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور بعد ازاں جب میں باب صفا سے نکل رہا تھا تو میں نے اپنے مقروض کو دیکھا کہ وہاں کھڑا کہہ رہا ہے:

اے کراچی: کنز الفوائد صفحہ ۸۰ + کتاب الحجۃ صفحہ ۱۷ + منیاء العالمین

تھے داؤد! میرے پاس آؤ اور مجھ سے اپنا مال لے لو۔ اے

۲۴۔ امام صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

رسول اکرمؐ مسجد الحرام میں تھے اور آپ نے نیا لباس پہن رکھا تھا۔ مشرکین اونٹنی کی بچہ دانی لائے اور آنحضرتؐ کے کپڑے آلودہ کر دیے آنحضرتؐ اسی حالت میں ابوطالبؑ کے پاس گئے اور پوچھا: چچا جان! آپ لوگوں میں میرا رتبہ کیسا ہے؟

ابوطالبؑ نے کہا: میرے بھتیجے کیا بات ہوتی ہے؟

آنحضرتؐ نے سارا قصہ سنایا تو ابوطالبؑ نے حمزہ کو بلایا، تلوار تھامی اور کہا: اونٹنی کی یہ بچہ دانی اٹھا لو۔ پھر وہ دونوں ان لوگوں کی جانب چلے جب کہ رسول اکرمؐ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ وہ قریش کے پاس جا پہنچے۔ جبکہ وہ خانہ کعبہ کے ارد گرد موجود تھے۔ جو نبی قریش کی نظر ابوطالب پر پڑی، انہوں نے محسوس کیا کہ وہ لڑائی پر آمادہ ہیں۔ ابوطالبؑ نے حکم دیا کہ اونٹنی کی بچہ دانی ان کی موچھوں پر مل دو۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حتیٰ کہ وہ آخری شخص تک پہنچ گئے۔ پھر ابوطالبؑ نے رسول اکرمؐ کو مخاطب کر کے کہا: یہ ہے ہم لوگوں میں آپ کا حسب اور حیثیت! اے

۲۵۔ ابو الفرج اصفہانی سے روایت ہے کہ امام صادقؑ نے فرمایا:

امام علیؑ اپنے والد ابوطالبؑ کے اشعار جمع کرنے اور پڑھے جانے پر خوش ہوتے تھے۔ جیسا کہ آپ کے اس سلسلے میں فرمایا: ان اشعار کو پڑھو اور اپنے فرزندوں کو پڑھاؤ، کیونکہ ابوطالبؑ خدا کے دین کے

لے کتاب الحجۃ صفحہ ۱۲ + سجاد الانوار جلد ۱ صفحہ ۲۴۲ + اصول کافی ۲۲۲

معتقد اور اس کا وسیع علم رکھتے تھے۔ لہ

۲۴۔ شیخ صدوق نے نقل کیا ہے کہ امام صادق نے فرمایا:

رسول اکرم کی پہلی نماز جماعت میں امام علیؑ ان کی اقتدار کر رہے تھے۔ اس وقت ابوطالب اور ان کے بیٹے جعفرؑ ان کے پاس سے گزے۔

تب ابوطالب نے جعفر سے کہا: اپنے چچا کے بیٹے (محمد) کے ساتھ ہو جاؤ اور ان کی بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھو! پھر انہوں نے یہ کہا: بیشک

علیؑ اور جعفرؑ میرے اعتماد اور بھروسے کے قابل ہیں جبکہ زمانے کی تکلیفیں اور مصیبتیں آئی ہوئی ہوں۔ لہ

۲۵۔ درست بن ابی منصور سے روایت ہے کہ میں نے امام کاظم سے

سوال کیا: کیا ابوطالب، رسول اکرم پر حجیت کا مقام رکھتے تھے؟

امام نے فرمایا: نہیں! لیکن کچھ وصیتیں جو ان تک بطور امانت آئی ہوئی تھیں وہ انہوں نے رسول اکرم کو پہنچا دی تھیں۔

میں نے پوچھا: کیا وہ وصیتیں رسول اکرم کو پہنچانے کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ (ابوطالب) آنحضرت پر حجیت رکھتے؟

لہ کتاب الحجۃ صفحہ ۲۵ + بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۲۴۲ + ضیاء العالمین۔

لہ امالی شیخ صدوق صفحہ ۳۰۴ + ابوالفتوح رازی: تفسیر جلد ۲ صفحہ ۲۱۱ +

دیگر حوارجات اس کتاب کے صفحہ ۸۴ پر حاشیہ ۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ نے فرمایا: اگر ابوطالب کو رسول اکرم پر حجیت کا مقام حاصل ہوتا

تو وہ مذکورہ وصیتیں ان کو نہ پہنچاتے، تب میں نے پوچھا: پھر ابوطالب

کی حجیت کیا تھی؟ امام نے فرمایا: وہ رسول اکرم اور ان کی رسالت پر ایمان لائے اور وہ وصیتیں جو ان تک آئی ہوئی تھیں، انہوں نے رسول اکرم

کے سپرد کر دیں اور اسی دن فوت ہو گئے۔ لہ

علامہ امینی کہتے ہیں:

یہ ایمان سے بھی بلند مقام ہے، جیسا کہ اس سے پیشتر امیر المؤمنین

کے ایمان کے ضمن میں انہی سے نقل ہو چکا ہے اور جس سے نہ صرف

ابوطالب کا ایمان بلکہ اپنے زمانے میں ان کے لیے حجیت اور ولایت کا مقام

بھی ثابت ہوتا ہے۔ لہ چنانچہ یہ معاملہ اتنی قوت حاصل کر گیا تھا کہ امام سے سوال کرنے والا یہ سمجھنے لگا، گو یا رسول اکرم کی بعثت سے پہلے ابوطالب،

آنحضرت پر حجیت کا مقام رکھتے تھے۔ لیکن امام کاظم اس بات کی نفی کرتے ہوئے ابوطالب کے لیے مقام وصایت و ولایت کی توثیق کرتے

ہیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ ابوطالب، حضرت ابراہیمؑ کے پاک دین پر تھے، حتیٰ کہ جمال محمدیؑ کا آفتاب چمکا اور ابوطالب نے وہ وصیتیں ان کے

سپرد کر دیں، نیز اس سے پیشتر ابوطالب کے عظیم فرزند امام علیؑ

لہ اصول کافی صفحہ ۲۴۲۔

لہ اس کتاب کے صفحہ ۷۸ تا ۸۱ پر ابوطالب کی اپنے بیٹے علیؑ کو ہدایت کا

مضمون ملاحظہ کریں۔

کی ولایت کی طرف بھی اشارہ کیا جا چکا ہے۔

۲۸۔ امام رضا علیہ السلام کے نام ابان بن محمد کا خط اور امام کا یہ جواب کہ اگر تم ایمان ابوطالب کے قائل نہیں تو تمہارا ٹھکانہ دوزخ میں ہوگا۔ لہ

۲۹۔ مفسر رازی امام رضا کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام کے آباد اجداد سے بھی کئی طریقوں سے مروی ہے کہ ابوطالب کی انگریزی کا نقش یہ تھا:

رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَ بَابِنِ اَبِي مُحَمَّدٍ نَبِيًّا
وَ بَابِنِي عَلِيٍّ وَ صَبِيًّا لَه

۳۰۔ شیخ صدوق اپنی اسناد کے ساتھ نقل کرتے ہیں:

جب عبدالعظیم بن عبداللہ حسنی العلوی بیمار ہوئے تو انھوں نے امام رضا کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: اے فرزند رسول! بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابوطالب جہنم کے ایک گڑھے میں پڑے ہیں جس میں ان کا مغز جو خشک کھا رہا ہے۔ آپ میرے لیے اس بات کی وضاحت فرمائیں۔ امام نے ان کے جواب میں نخر یہ فرمایا:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ ابا بعد۔ اگر تم ایمان ابوطالب کے بارے میں شک میں مبتلا ہو گئے تو تمہارا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ لہ

۳۱۔ شیخ صدوق اپنی اسناد کے ساتھ امام حسن عسکری سے اور وہ اپنے آباء طاہرین سے ایک طویل حدیث نقل کرتے ہیں:

خداوند تبارک و تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو خطاب کرتے ہوئے وحی بھیجی کہ میں نے تمہارے پیروکاروں کے دودستوں کے ذریعے تمہاری مدد کی ہے۔ ایک وہ دستہ ہے جو پوشیدہ طور پر تمہاری مدد کرتا ہے اور دوسرا وہ ہے جو کھلم کھلا تمہاری حمایت کرتا ہے۔ جو لوگ پوشیدہ طور پر تمہاری مدد کرتے ہیں ان میں سب سے بلند مرتبہ اور ان کا سردار تمہارا چچا ابوطالب ہے اور جو گروہ علانیہ تمہاری حمایت کرتا ہے اس میں سے عالی مرتبت اس کا بیٹا علی ہے۔ پھر فرمایا: ابوطالب مومن آل فرعون کی مانند ہے جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا۔ لہ

۳۲۔ شیخ صدوق نے اعمش سے وہ عبداللہ بن عباس سے اور وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

ابوطالب نے رسول اکرم سے پوچھا: اے میرے بھتیجے! کیا خدا نے تمہیں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟

آنحضرت نے فرمایا: جی ہاں!

لہ کتاب الحجۃ صفحہ ۱۶ + ضیاء العالمین

لہ کتاب الحجۃ صفحہ ۱۱۵ + ضیاء العالمین

لہ کنز العوائد صفحہ ۸۰ + کتاب الحجۃ صفحہ ۱۶ + بحار الانوار جلد ۹ صفحہ ۳۳ +

ضیاء العالمین + نیز اس کتاب کے صفحہ ۳۲ پر کلمات امام رضا بھی ملاحظہ کریں۔

لہ ابوالفتوح رازی: تفسیر جلد ۴ صفحہ ۲۱۱ + درجات الرقیعہ + محبوب القلوب

ابوطالب نے کہا: پھر تم مجھے اس کی کوئی نشانی دکھاؤ۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: آپ اس درخت کو میری طرف بلائیں۔

ابوطالب نے ایسا ہی کیا۔ درخت آگے بڑھا حتیٰ کہ اس نے

رسول اکرمؐ کے سامنے آکر سجدہ کیا اور پھر واپس ہو گیا۔ ابوطالب نے کہا:

میں گواہی دیتا ہوں کہ تم دعوائے نبوت میں سچے ہو، اے علیؑ! تم اپنے چچاؑ

بھائی (محمدؐ) کے ساتھ نماز پڑھا کرو۔ لے

یہ حدیث اس عبارت کے ساتھ بھی مروی ہے:

ابوطالب نے قریش پر رسول اکرمؐ کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے

ان کے مجمع میں آنحضرتؐ سے یوں خطاب کیا: اے میرے بھتیجے! کیا خدا

نے تمہیں (اپنا رسول بنا کر) بھیجا ہے؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں!

ابوطالب نے کہا: ہر پیغمبر کا کوئی معجزہ اور عارق العادة عمل ہوتا ہے،

تم بھی ہمیں کوئی نشانی دکھاؤ۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا: آپ اس درخت کو

یہ کہہ کر بلائیں: محمد بن عبد اللہ کہتا ہے کہ تو خدا کے اذن سے میری طرف آ!

ابوطالب نے ایسا ہی کیا اور درخت آگے بڑھا۔ حتیٰ کہ اس نے آنحضرتؐ کو

سجدہ کیا۔ پھر آنحضرتؐ نے اسے واپس جانے کا حکم دیا اور وہ واپس چلا گیا۔

ابوطالب نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم دعوائے نبوت میں سچے ہو۔ اس کے

ساتھ ہی انہوں نے اپنے بیٹے علیؑ کو مخاطب کر کے کہا: میرے بیٹے! اپنے

چچا زاد بھائی سے وابستہ ہو جاؤ۔ لے

۳۳۔ سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عبد اللہ بن عباس

سے پوچھا: اے رسولؐ کے پچھرے بھائی! مجھے بتائیں کہ آیا ابوطالبؑ

مسلمان تھے؟

انہوں نے کہا: ابوطالب کی مثال اصحاب کف کی سی ہے جنہوں

نے اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھا اور شرک ظاہر کیا۔ پس خدا نے

ان کو دگنا اجر دیا۔ لے

۳۴۔ عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ کعبہ میں نماز

نظر پڑھ رہے تھے اور امام علیؑ ان کی داہنی طرف تھے۔ تب

ابوطالب وہاں سے گزرے جبکہ جعفرؑ ان کے ساتھ تھے۔ پس

انہوں نے (اپنے بیٹے) جعفرؑ سے کہا:

اپنے ابن عم (محمدؐ) کے ساتھ نماز پڑھو۔ جعفرؑ کے آنے پر علیؑ

رسول اکرمؐ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ جب نماز ادا ہو چکی تو ابوطالبؑ

نے چند اشعار کہے جن میں سے ایک یہ ہے:

بے شک علیؑ اور جعفرؑ میرے اعتماد اور بھروسے کے قابل ہیں

جب کہ زمانے کی تکلیفیں اور مصیبتیں آئی، جوئی ہوں لے

۳۵۔ عکرمہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: میرے

باپ نے مجھے خبر دی کہ ابوطالبؑ نے اپنی وفات کے وقت خدا

لے امالی شیخ صدوق ۳۶۶ صفحہ + کتاب الحجۃ صفحہ ۱۱۵، ۹۴

لے روضۃ الواعظین صفحہ ۱۲۳ + کتاب الحجۃ صفحہ ۵۹ + کنز الخواص

لے امالی شیخ صدوق ۳۶۵ صفحہ

لے روضۃ الواعظین صفحہ ۱۲۱ + کتاب الحجۃ صفحہ ۲۵

کی وحدانیت اور رسول اکرمؐ کی رسالت کی گواہی دی۔ لہ

۳۶۔ ابو ذر غفاری سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا:

اس خدا کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں — ابوطالبؓ دنیا سے نہیں گئے مگر اس وقت جب انہوں نے حبشی زبان میں اپنے اسلام کا اظہار کیا اور رسول اکرمؐ سے کہا: کیا آپ حبشی زبان جانتے ہیں؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: چچاجان! خدا نے مجھے تمام زبانیں سکھا دی ہیں۔ تب ابوطالبؓ نے کہا: یا محمدؐ! اسدن لمصا قاطالاہا“ یعنی میں پورے خلوص سے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ اس پر رسول اکرمؐ رو پڑے اور فرمایا: خدا نے ابوطالبؓ (کے اسلام) سے میری آنکھیں روشن کر دی ہیں۔ لہ

ابوطالبؓ نے حبشی زبان میں عقیدہ توحید کی شہادت دینا پسند کی تھی۔ تاہم یہ عمل انہوں نے اس سے پہلے بہت سے مواقع پر ایک اور زبان میں شہادت دینے کے بعد کیا۔ اس بارے میں شیخ ابوالحسن شریف فتونی نے اپنی گرانقدر کتاب ”ضیاء العالمین“ میں مفصل بحث کی ہے، جو امامت کے موضوع پر ایک بہترین کتاب ہے۔

۳۷۔ فاطمہ بنت اسد سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

عبدال مطلب کی وفات کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ابوطالبؓ

نے رسول اکرمؐ کی سرپرستی سنبھالی اور ان کے ساتھ میں بھی ان کی خدمت کرنے لگی۔ ہمارے گھر کے باغ میں کھجور کے چند درخت تھے اور تازہ کھجوروں کا موسم آیا ہوا تھا۔ میں ہر روز دو مٹھی کھجوریں آنحضرتؐ کے لیے چنتی اور میری باندی بھی میرے ساتھ ہوتی تھی۔ اتفاق سے ایک دن میں ان کے لیے کھجوریں چننا بھول گئی اور باندی کو بھی یاد نہ رہا۔ آنحضرتؐ سوہے تھے اور جو بچی ہوئی کھجوریں درخت پر سے گزے وہ دوسرے بچے چن کر لے گئے تھے۔ اس وقت تک جب رسول اکرمؐ جاگ اٹھیں — میں بھی شرمندگی کے مارے اپنا منہ چھپائے سوئی رہی۔ پھر وہ جلگے اور باغ میں گئے تو انہیں زمین پر کوئی کھجور نظر نہ آئی۔ تب انھوں نے کھجور کے درخت کو اشارہ کیا اور فرمایا: اے درخت! مجھے بھوک لگی ہے۔ اس وقت میں نے دیکھا جن شاخوں پر کھجوریں لگی تھیں وہ درخت نے نیچے جھکا دیں۔ پھر جب آنحضرتؐ نے اپنی خواہش کے مطابق کھجوریں کھالیں تو وہ شاخیں دوبارہ اوپر اٹھ گئیں۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی اور ابوطالبؓ اس وقت گھر پر نہیں تھے۔ جب وہ آئے اور انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میں ننگے پاؤں ہی بھاگ کے گئی، دروازہ کھولا اور جو کچھ دیکھا تھا وہ انہیں کہہ سنایا۔ ابوطالبؓ نے کہا: بلاشبہ وہ (محمدؐ) پیغمبر ہوگا اور تمہارے بالائے ہونے کے بعد تم سے ایک بچہ ہوگا جو اس کا وزیر بنے گا اور پھر جیسا کہ انہوں نے کہا تھا — میں نے علیؑ کو جنم دیا۔ لہ

لہ قطب راوندی: الخراج والخراج

لہ ضیاء العالمین

لہ تفسیر و کعب + ضیاء العالمین

۳۸ — ابوطالب اپنے والد عبدالمطلب سے روایت کرتے ہیں:

ایک بار جب میں حجر اسماعیل کے پاس سو رہا تھا تو میں نے ایک خواب دیکھا کہ جس نے مجھے ڈرا دیا۔ میں قریش کی کاہنہ کے پاس گیا جب کہ میں سمور کی بڑی سی ردا اور سے تھا اور میرے گھنے بال میرے کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس عورت نے مجھ پر نگاہ ڈالی تو میرے چہرے پر پریشانی کے آثار پائے کیونکہ میں قوم کا سردار تھا، اس لیے وہ احترام میں کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی: عرب کے سردار کا یہ کیسا حال ہے کہ اس کے چہرے کا رنگ بدل سا گیا ہے؟ کیا زمانے کی گردش نے اس پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا ہے؟

میں نے کہا: ہاں! اس لیے کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میری پشت سے ایک درخت اگا کہ جس کا سر آسمان کو چھو رہا تھا اور اس کی شاخیں مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر میں نے ایک نور دیکھا جو اس درخت میں سے چمک رہا تھا اور سورج کے نور سے ستر گنا زیادہ روشن تھا۔ نیز میں نے یہ بھی دیکھا کہ عرب و عجم کے لوگ اس درخت کو سجدہ کر رہے ہیں اور ہر روز اس کی روشنی اور عظمت بڑھ رہی ہے۔ علاوہ ازیں میں نے قریش کے ایک گروہ کو دیکھا ہے کہ وہ اس درخت کو جڑ سے اکھاڑنا چاہتا تھا۔ لیکن جب وہ لوگ اس کے نزدیک پہنچے ایک جوان جو سب سے زیادہ خوش شکل اور خوش لباس تھا، اس نے انہیں بکڑا، ان کی کمریوں توڑیں اور انھیں نکال لیں۔ پھر میں نے بھی اس درخت کی شاخوں کو پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن اس جوان نے بلند آواز سے کہا: اپنا ہاتھ ہٹا لو کہ تمہارا اس درخت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ درخت تو مجھ سے

آگے اور میں ہی اس سے محروم رہ جاؤں!

اس جوان نے کہا: اس درخت میں ان لوگوں کا حصہ ہے جو اس سے وابستہ ہو گئے ہیں اور اس کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ ان واقعات کے بعد میں خوفزدہ ہو کر نیند سے جاگ اٹھا جبکہ میرا رنگ بدل چکا تھا۔

اس گفتگو کے بعد میں نے دیکھا کہ اس کاہنہ کا رنگ بھی بدل گیا اور وہ کہنے لگی: اگر تم نے سچ کہا ہے تو تمہاری نسل سے ایک فرزند پیدا ہو گا اور ہے جو لوگوں میں پیغمبر کی حیثیت سے مبعوث ہو گا اور دنیا کے مشرق و مغرب کا مالک بن جائے گا۔

کاہنہ کی طرف سے اس جواب کے بعد میرا غم اور میری پریشانی دور ہو گئی۔ عبدالمطلب نے مزید کہا: ابوطالب! ذرا غور کرو کہ شاید وہ درخت اور وہ فرزند تمہی تو نہیں ہو؟

جب ابوطالب نے یہ داستان دہرائی تو رسول اکرم نے فرمایا: خدا کی قسم! وہ درخت — صادق و امین! ابوالقاسم محمد ہے۔

۳۹ — ابوعلی موفیج اپنی اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ابوطالب کی وفات کے وقت تک رسول اکرم پر نماز میت کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے آنحضرت نے اور خدا بچہ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ جب ابوطالب کا جنازہ اٹھایا گیا تو رسول اکرم، علی، جعفرؓ اور حمزہؓ حاضر ہو بیٹھے ہوئے تھے۔ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے جنازے کی تشییع کی اور ابوطالب کے لیے مغفرت کی دعا مانگی۔

کچھ لوگوں نے کہا: ہم اپنے مرنے والے ان رشتہ داروں کے لیے

جو مشرک ہوں، مغفرت طلب کیا کرتے ہیں۔ یہ بات کہہ کر وہ سمجھ رہے تھے کہ ابوطالب دنیا سے حالت شرک میں گئے ہیں، کیونکہ وہ اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے۔ راوی مزید کہتا ہے: لیکن خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت کے ذریعے میرے باپ (ابوطالب) کے بارے میں شرک کے گمان کی نفی فرمادی ہے، نیز رسول اکرمؐ اور مذکورہ بالا اشخاص کا دامن بھی پاک کر دیا ہے:

”پیغمبر اور مومنوں کے لیے مناسب نہیں کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں، اگرچہ وہ مشرک، ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں“ (سورۃ توبہ - آیت ۱۱۳)

پس جو شخص ابوطالب کے کفر کا معتقد ہو وہ درحقیقت رسول اکرمؐ کی خطا کا حکم لگاتا ہے، حالانکہ خدائے تعالیٰ انہیں قول و فعل کے لحاظ سے پاک اور منترہ قرار دیتا ہے۔

ابوالفرج اصفہانی اپنی اسناد کے ساتھ محمد بن حمید سے اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتا ہے:

ابوالجهم بن حذیفہ نے پوچھا: کیا رسول اکرمؐ نے ابوطالب کی نماز جنازہ پڑھی تھی؟

میں نے کہا: ان دنوں نماز جنازہ تھی ہی کہاں؟ وہ تو ابوطالب کی وفات کے بعد واجب ہوئی ہے۔ تاہم رسول اکرمؐ اپنے چچا ابوطالبؓ کی وفات پر سخت غمگین ہوئے اور آپ نے امام علیؑ کو ان کی تدفین کا حکم دیا تھا۔ پھر آپ خود بھی جنازے پر پہنچے۔ نیز عباس اور ابوبکر نے بھی ان

(ابوطالب) کے ایمان پر گواہی دی اور میں (راوی) بھی ان دونوں کی گواہی کے درست ہونے پر گواہ ہوں۔ کیونکہ ابوطالب اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے اور اگر وہ اسلام کی ثنرت اور غلبے کے وقت تک زندہ رہتے تو یقیناً اپنے ایمان کو ظاہر کرتے۔ ۴۔

۴۔ مناقب سے یہ قول نقل کیا گیا ہے:

جب قریش نے دیکھا کہ رسول اکرمؐ کی تبلیغ اور دعوت پھیلنے لگی ہے اور اکثر لوگ ان کے دین کو قبول کر رہے ہیں تو انہوں نے کہا: محمدؐ نے غرور اور تکبر کے علاوہ کچھ بھی حاصل نہیں کیا اور وہ یقیناً جا دو گرے یا دیوانہ ہے۔ چنانچہ انہوں نے باہم پیمانہ باندھا کہ اگر ابوطالب فوت ہو گئے تو وہ تمام قبائل کو محمدؐ کے قتل پر متفق کر لیں گے۔ قریش کے اس پیمانہ کی خبر ابوطالب تک پہنچی تو انہوں نے بنی ہاشم اور قریش میں سے ان کے حلیفوں کو جمع کیا، انہیں رسول اکرمؐ کے متعلق کئی ایک سفارشاتیں کیں اور کہا:

میرا بھتیجا محمدؐ دعوت دیتا ہے، ہمارے بزرگوں اور دانشوروں نے اس کی پیشین گوئی کی ہوئی ہے۔ چنانچہ محمدؐ سچا پیغمبر ہیں، ناطق اور بلند ترین مراتب اور مقامات کا مالک ہے۔ کیونکہ پروردگار کے نزدیک اس کا درجہ سب سے بلند ہے۔ پس تم اس کی دعوت قبول کرو۔ اس کی مدد کے لیے اکٹھے ہو جاؤ اور اس کے دشمنوں کو منتشر کر دو۔ اگر تم ایسا کرو گے

تو تمہیں ہمیشہ رہنے والی بڑائی اور بزرگی نصیب ہوگی۔ پھر انہوں نے یہ اشعار کہے:

میں اپنے بیٹے علیؑ اور اپنے بھائی عباس کو نیک سیرت پیغمبرؐ کی مدد کرنے کی سفارش کرتا ہوں اور حمزہؓ کو بھی جس کے حملے سے شیر بھی خوف کھاتا ہے اور جعفرؓ کو بھی دوسروں سے اس کا دفاع کرنے کو کہتا ہوں اور میں تمام بنی ہاشم کو پیغمبرؐ کی حمایت کی سفارش کرتا ہوں تاکہ وہ جنگ کے وقت دشمن کے جنگ آزماؤں کا مقابلہ کریں میری ماں اور اس کے فرزند تم پر فدا ہو جائیں خطرے اور جنگ کے وقت احمدؑ کے لیے ڈھال بنے رہنا اور اپنی صیقل شدہ تلواروں کے ساتھ اس کا دفاع کرو جو رات کے وقت آگ کے شعلوں کی مانند نظر آتی ہیں

اس بحث کے خاتمے پر ہم علامہ امینی کا قول نقل کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں:

ہم نے اپنی اس تحقیق کے دوران اختصار کی خاطر بہت سی احادیث کا ذکر نہیں کیا اور اپنی تحقیق کے نتائج کا خاکہ پیش کرنے کے لیے فقط ان چالیس احادیث کے تذکرے پر اکتفا کیا ہے جو حقیقت اور حقیقت کے راویوں نے نقل کی ہیں۔

اگر قارئین ان حدیثوں کو ابوطالب کے بارے میں ان کے خاندان اور ان سے وابستہ لوگوں سے منقول روایتوں سے منقول کر دیں۔ اور ان روایتوں کو بھی جو سالار مکہ ابوطالبؑ کے کردار میں نقل ہوئی ہیں۔

لے فتویٰ: ضیاء العالمین

پھر ان سب کا اضافہ ان صریح شہادتوں پر کریں جو ابوطالب کے اشعار میں موجود ہیں اور ان کے سیکڑوں دلائل پر یعنی اسلام اور ان کے خالص ایمان کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ ایسے ثبوت اور ایسی شہادتیں ہیں جو صاحبان فکر و نظر کے نزدیک ہر شخص کے اسلام اور ایمان پر یقین کرنے کے لیے کافی ہیں تو کیا یہ ایمان ابوطالب کے بارے میں کافی نہیں ہیں؟ شاید یہ کہا جائے کہ یہ سب دلائل بھی کافی نہیں ہیں۔ کیونکہ ابوطالبؑ کے معاملے میں ایک ایسی رمز موجود ہے جو ہزار دلائل سے بھی ان کا ایمان ثابت نہیں ہونے دیتی حالانکہ دوسروں کا ایمان ایک غیر معروف قول یا محض اس کا دعویٰ کرنے سے ہی ثابت ہو جاتا ہے۔ اب قارئین کا کام ہے کہ وہ اس بیان کو پڑھیں اور فیصلہ کریں کہ وہ کونسی رمز ہے جو بعض لوگوں کو ایمان ابوطالبؑ کا اقرار نہیں کرنے دیتی؟ غالباً وہ رمز یہ ہے کہ ابوطالبؑ — علی مرتضیٰؑ — کے والد ہیں!



ساتواں باب

ایمان ابوطالبؑ کا
اثبات کرنے والے

مؤلفینؒ



بہت سے شیعہ بزرگوں مثلاً علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار کی نویں جلد کے صفحہ ۱۲ تا ۳۳ میں اور ابوالحسن شریف فتویٰ نے ضیاء العالمین کی دوسری جلد میں ایمان ابوطالبؑ کے متعلق تفصیل سے بحث کی ہے۔ چنانچہ دوسرا ماخذ یعنی ضیاء العالمین اس موضوع پر بہترین کتاب ہے۔ اسی طرح ”برزنجی“ کی تالیف کہ جس کی ”احمد زینی دحلان“ نے تلخیص کی ہے، وہ ایمان ابوطالبؑ پر اہل سنت کی جانب سے ایک بہترین کتاب ہے۔ علاوہ بریں اس موضوع پر مندرجہ ذیل اشخاص نے بھی کتابیں تالیف کی ہیں:

۱۔ سعد بن عبداللہ ابوالقاسم اشعری قمی (متوفی ۲۹۹ تا ۳۰۱ھ) نے — رجال نجاشی صفحہ ۱۲۶ — کی تحریر کے مطابق ابوطالبؑ، عبدالمطلب اور عبداللہ رسول اکرمؐ کے والد کی فضیلت کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔

۲ — ابوعلی کوئی احمد بن محمد بن عمار (متوفی ۳۴۶ھ) نے — فرست
 شیخ منتخب، صفحہ ۲۹ اور رجال نجاشی، صفحہ ۷۰ — کی تحریر کے مطابق
 ”ایمان ابوطالب“ نامی ایک کتاب لکھی ہے۔

۳ — ابو محمد سهل بن احمد عبداللہ دیباجی نے — تلعلکبری (متوفی ۳۷۰ھ)
 اور فرست نجاشی، صفحہ ۱۳۳ — کی تحریر کے مطابق ایمان ابوطالب
 پر ایک کتاب لکھی ہے۔

۴ — ابو نعیم علی بن حمزہ بصری تمیمی لغوی (متوفی ۳۷۵ھ) نے ایمان ابوطالب
 کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا ایک نسخہ سامرا میں شیخ
 میرزا محمد تهرانی کے پاس موجود ہے۔ ابن حجر نے ”اصابہ“ میں ابوطالب
 کے حالات زندگی لکھتے ہوئے اس کتاب کے بعض اجزا نقل کیے
 ہیں اور اس کے مؤلف پر ارضی ہونے کی تہمت بھی لگائی ہے۔

۵ — ابو سعید محمد بن احمد بن حسین خزاعی نیشاپوری جو مفسر کبیر شیخ ابوالفتوح
 خزاعی کے نانا تھے۔ انہوں نے ”منی الطالب فی ایمان ابی طالب“
 نامی ایک کتاب لکھی ہے جس کا ذکر فرست شیخ منتخب کے صفحہ
 ۱۰ پر ہے۔

۶ — ابوالحسن علی بن بلال بن ابو معاویہ مہلبی ازدی نے — فرست شیخ
 صفحہ ۹۶ اور رجال نجاشی، صفحہ ۱۸۸ کی تحریر کے مطابق ”البیان
 عن نبیة الرحمن“ نامی ایک کتاب لکھی جو رسول اکرم کے آباؤ اجداد
 اور ابوطالب کے ایمان کے بارے میں ہے۔

۷ — احمد بن قاسم نے ایمان ابوطالب کے بارے میں ایک کتاب لکھی

ہے — فرست نجاشی صفحہ ۶۹ — کی تحریر کے مطابق نجاشی نے
 اس کا ایک نسخہ دیکھا جو حسین بن عبید اللہ خضامیری کے خط میں تھا۔
 ۸ — ابوالحسن احمد بن محمد بن احمد بن طرخان کندی جرجانی (متوفی ۴۵۰ھ)
 جو نجاشی کا دوست تھا۔ اس نے — فرست نجاشی صفحہ ۶۳ —
 کی تحریر کے مطابق ایمان ابوطالب کے بارے میں ایک کتاب
 لکھی ہے۔

۹ — شیخ بزرگوار ابو عبد اللہ محمد بن نعمان (شیخ مفید) متوفی ۴۱۳ھ) نے
 — فرست نجاشی صفحہ ۲۸ — کے مطابق ایمان ابوطالب کے
 بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔

۱۰ — ابوعلی شمس الدین سید فخر بن معد موسوی (متوفی ۶۳۰ھ) نے
 ”البحر علی الذائب الی تکفیر ابی طالب“ نامی ایک کتاب لکھی ہے
 اس پر علامہ سید محمد صادق بحر العلوم نے منظوم تقریظ تحریر کی اور اس
 میں سے ایک شعر یہ ہے:

اے فخر! تمہیں مبارک ہو وہ امتیاز

جو خدا نے تمہیں قیامت کے دن کے لیے عنایت فرمایا

۱۱ — ابوالفضائل احمد بن طاؤس حسنی (سید بن طاؤس: متوفی ۶۷۳ھ)
 نے ایمان ابوطالب کے بارے میں ایک مقالہ لکھا جسے
 انہوں نے اپنی کتاب ”المقالۃ العلویہ“ میں شامل کیا ہے جو امامت
 کے موضوع پر ہے اور ابو عثمان جاحظ کے رد میں لکھی گئی ہے۔

۱۲ — سید حسین طباطبائی بزدی حائری المعروف بدو اعط (متوفی ۱۳۰۷ھ)



حضرت ابوطالبؑ کی شان میں

مَدْحِیَّةٌ شِعَارٌ



- نے "بغیة الطالب فی ایمان ابی طالب" نامی ایک کتاب فارسی زبان میں لکھی اور وہ چھپ چکی ہے۔
- ۱۳ — مفتی شریف سید محمد عباس تستری ہندی (متوفی ۱۳۰۶ھ) جو شعرائے غدیر میں سے ہیں انہوں نے "بغیة الطالب فی ایمان ابی طالب" نامی ایک کتاب لکھی ہے۔
- ۱۴ — شمس العلماء میرزا محمد حسین گرگانی نے "مقصد الطالب فی ایمان ابی طالب" نامی ایک کتاب لکھی ہے جو فارسی زبان میں ہے اور ۱۳۱۱ھ میں بمبئی سے چھپی ہے۔
- ۱۵ — شیخ محمد علی بن میرزا جعفر علی فصیح ہندی نے "القول الواجب فی ایمان ابی طالب" نامی ایک کتاب لکھی ہے۔
- ۱۶ — شیخ میرزا محسن بن میرزا محمد تبریزی۔
- ۱۷ — سید محمد علی آل شرف الدین عالی (متوفی ۱۳۷۳ھ) نے "شیخ الابطح او ابوطالب" نامی ایک کتاب لکھی جو ۱۳۲۹ھ میں ۹۶ صفحات پر چھپی ہے۔
- ۱۸ — شیخ میرزا محمد طہرانی کے فرزند شیخ میرزا نجم الدین نے "شہاب الناقب لرحم مکفر ابی طالب" نامی ایک کتاب لکھی ہے۔
- ۱۹ — مرحوم شیخ جعفر بن حاج محمد نقدی نے "مواہب الواہب فی مفتاح ابی طالب" نامی ایک کتاب لکھی جو ۱۳۴۱ھ میں نجف اشرف سے ۱۵۴ صفحات پر چھپی ہے۔

بہت سے شیعہ بزرگوں نے اپنے کلام میں ابو طالب کے اوصاف
بیان کیے ہیں، ہم ان میں سے کچھ اشعار یہاں نقل کرتے ہیں:

①

سید ابو محمد عبداللہ بن حمزہ حسنی زیدی کے ایک قصیدے میں سے دو
بیت ہم یہاں نقل کر رہے ہیں جن میں انہوں نے کہا:
ہمارے باپ ابو طالب نے ان پیغمبرؐ کی حمایت کی
اور وہ اس وقت اسلام لائے جب دوسرے لوگ نہیں لائے تھے
وہ اپنے عقیدے اور ایمان کو تو چھپاتے تھے
لیکن پیغمبرؐ سے اپنی محبت کو نہیں چھپا سکتے تھے

(۳)

سید علی خان شیرازی نے اپنی کتاب ”درجات رفیعہ“ میں کچھ شعر کے
میں جن میں سے چند ایک ہم یہاں نقل کرتے ہیں:
ابوطالب پیغمبرؐ (محمد) کے وہ چچا تھے
جن کی طاقت سے دین قائم ہوا اور اس کی شان بڑھی
تمام افتخارات میں سے ان کے لیے یہی فخر کافی ہے
کہ وہ لوگوں کے درمیان پیغمبرؐ کے مددگار اور
کفالت کرنے والے تھے
اگر وہ نہ ہوتے تو پیغمبرؐ کی دعوت کو مضبوطی اور
پائداری حاصل نہ ہوتی
اور ظلم اور جھوٹ کی لمبی رات کا خاتمہ نہ ہوتا
ان بزرگوں کو یہ وہ کہنا کیونکر جائز ہے
جو اپنی زندگی کی ابتدا سے انتہا تک قابل تعریف اور شائستہ تھے
خدا کا سلام ہو ان پر کہ جب تک سورج مشرق سے چمکتا ہے
ان کی نیکیوں اور خوبیوں کا ذکر کیا جائے گا

(۳)

سید بزرگوار آیت اللہ میرزا عبدالمہادی شیرازی نے ایک بڑا زوردار
تفسیر لکھا ہے جس کے کچھ اشعار ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

۱۸۸

ایک ہوشمند اور بزرگ انسان کی تعریف کے لیے میرے پاس بڑا
وسیع میدان ہے
وہ بزرگ انسان جو قرآن کے ہم پلہ اولی الامر (ائمہ) کا
دادا ہے

وہ ہدایت کا ایک ایسا پرچم ہے کہ میں اس کی تعریف کر کے
اپنے شعور کو زینت دینا ہوں اور اپنے اشعار کو سر بلند کرتا ہوں
وہ اوصیاء کا باپ اور پیغمبرؐ کا چچا ہے
جس کے ذریعے ایک برگزیدہ خاندان پھیلا پھولا ہے
وہ دنیا میں یگانہ ہے اور اس کا ساتھی حسن خلق ہے
اور روشنی اور چمک کے لحاظ سے سورج اور چاند
کے بعد اسی کا مقام ہے
پھر اس کے لیے یہی فخر کافی ہے کہ
وہ حیدر (امام علیؑ) کا باپ ہے جو انتہائی مصیبت
میں لوگوں کی پناہ گاہ تھے
جب تک باد صبا چلتی ہے اس آزاد مرد پر خدا کی رحمت ہو
کیونکہ زندگی بھر تو اس کی زبان مکہ کے سردار (رسول اکرمؐ) کی تعریف
کرتی رہی۔

(۲)

علامہ اردو بادی مندرجہ ذیل اشعار میں ابوطالبؑ کی تعریف کرتے ہیں:

۱۸۹

مکہ کے شیخ ابوطالب کے ذریعے بھلائی اور ہدایت پھیلی

اور وہ اس کے نور کا پرتو تھا کہ جس سے مکہ چمکنے لگا

خدا نے تعالیٰ نے اسے توحید کے ہمراہ تیز تلوار کی مانند بنایا

جس نے ہر طرح کے شرک اور کفر کو سزگوں کر دیا

اس نے خدا کے دین کے دفاع کے موقع پر ارادے کی تلوار نیام

سے کھینچ لی

وہ تلوار جس کی چمک سے دوسرے ہتھیاروں کی چمک دمک ماند پڑ گئی

اور اس نے حقیقت کو اپنے شعروں میں ظاہر کیا

ان شعروں میں جو حقیقتوں اور نیکیوں سے لبریز ہیں

اس کا وجود ایک ایسا علم ہے جو جو انور دمی کی صفت سے آراستہ ہے

وہ سخی اور اس دین سے آراستہ ہے جس کی راہ میں اس نے اپنا

آپ قربان کر دیا

مختصر اور واضح بات یہ ہے کہ وہ علیؑ کا باپ ہے

اس کے خالص ایمان میں کوئی شک جائز نہیں

چو دھو بس رات کے چاند کا نور ظاہر ہے

اگر چہ ادھر ادھر سے کتے بھونک رہے ہیں

فرض کیجیے کہ میں صبح کو کہوں کہ یہ تورات ہے

لیکن کیا ایک آنکھوں والے سے دن چھپا رہ سکتا ہے؟

مکہ کا سردار ابوطالب ایسا ہے کہ ہدایت کے راستے میں

پیشوائی اور بزرگی نے اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال رکھا ہے

۵

علامہ یگانہ شیخ محمد تقی صادق عاملی نے اہلبیتؑ کی شان میں اپنے ایک

قصیدے میں ابوطالبؑ کے متعلق یہ اشعار کہے ہیں:

علیؑ کے زور و شمشیر سے دین کے عمل کی بنیاد کو استحکام نصیب ہوا،

جیسے علیؑ کے باپ ابوطالبؑ کی ہمت سے اس عمارت کے

ستون کھڑے ہوئے تھے

وہ جو عالی ظرفی کی رمزا اور جو انور دمی کا لازم ہے

وہ جو ہدایت کے صحیفے کی ابتدا بھی اور انتہا بھی ہے

وہ جو تمام فضیلتوں اور دانشوں میں بے نظیر ہے

یوں سمجھو کہ تمام بڑائیاں اس کے وجود میں جمع ہو گئی ہیں

اس نے پیغمبرؐ کے دین کی سر بلندی کی خاطر اپنے آپ کو قربان کر دیا

اور پھر کیا کہنے کہ اسکا یہ معاملہ کتنا مبارک ہے۔

۶

علامہ بزرگوار سید علی نقی لکھنوی اپنے چند اشعار میں ابوطالبؑ کی

یوں تعریف کرتے ہیں:

مکہ میں پیغمبرؐ کے وصی کے باپ کی خاطر صبح کے وقت

اس صبح کو جب اس نے پیغمبرؐ کا دفاع کیا نور کی بارش ہوئی

اسلام کی حمایت کے لیے اور ہر خود غرض گمراہ کے مقابلے پر

بس وہ تھا کہ جو اکیلا ہی اٹھ کھڑا ہوا
 وہ پورے خلوص کے ساتھ برحق پروردگار پر ایمان لے آیا
 توجید پرست دل کے ساتھ وہ نیک اور پرہیزگار تھا
 رسالت کے آغاز میں پیغمبر کے دین کی عزت اور آبرو اس سے
 وابستہ ہوئی
 پھر وہ اس کے پاک فرزند علیؑ کے ہاتھوں بلندی کی انتہا تک پہنچی

(۷)

علامہ فاضل شیخ محمد سماوی (متوفی ۱۳۷۰ھ) نے اپنے ایک قصیدے
 میں درج ذیل اشعار کے ہیں:

سحر کے وقت میرا دل میرے سینے میں دھڑکتا ہے
 یا یوں سمجھو کہ ایک کھلاڑی کے ہاتھ میں گیند ہے
 تو کسے گا کہ میں ہوس کے ایک دائرے میں ہوں
 وہ دائرہ جو ستارۂ اقبال کی مانند کبھی ابھرتا اور کبھی ڈوبتا ہے
 لیکن یہ دائرہ ایسا چھتر ہے کہ گویا قوم نے اس میں پناہ لی ہے
 یہ چھتر — علیؑ ہے کہ اس کا باپ ابوطالب ہے
 وہ ہر فخر کا مالک اور پیغمبرؐ کا چچا ہے
 اور غالب کے فرزندوں میں سے مکہ کا سردار

وہ اتنا بلند مرتبہ اور بارعیب ہے کہ
 شکاری باز اس کی طرف آنے کی طاقت نہیں رکھتا

۱۹۲

اس کا چہرہ آنکھوں کے سامنے یوں چمکتا ہے
 جیسے ایک نیام سے کھینچی ہوئی تلوار ہو
 اس نے اپنی تلوار کے سائے میں دین کی حمایت کی
 اور مکہ میں دین کا حامی اور مددگار بنا رہا
 اور وہ پوشیدہ طور پر خدا پر ایمان لے آیا
 اس خدا پر جس کا دین ہر متلاشی کے لیے واضح ہے
 اور اس نے احمد پر آنے والی وحی کی تصدیق کی
 اور جو کچھ واجب تھا اس کے لیے قیام کیا
 اور بہت سے لوگ پوشیدہ طور پر پیغمبر کی تصدیق کرتے تھے (مومن)
 اور کچھ دوسرے دکھاوے کے لیے تصدیق کرتے تھے (منافق)
 اگر ابوطالب نہ ہوتے تو شاید رسول اکرمؐ اپنی تبلیغ کو عام نہ کرتے
 اور لوگوں کو کھلم کھلا خدا کے دین کی طرف نہ بلاتے۔

(۸)

فاضل محقق اور گراہنہ کتابوں کے مولف شیخ جعفر بن حاج محمد نقوی
 (متوفی ۱۳۸۰ھ) نے اپنی کتاب ”مواہب الواہب فی فضائل ابی طالب“
 مطبوعہ نجف کے صفحہ ۵۴ پر ایک قصیدہ لکھا ہے، اس کے چند اشعار ہم
 یہاں نقل کرتے ہیں:

تیری ہنسی کے چمکارے نے مکہ کو روشن کر دیا
 اور تیرے چہرے کی شرم و حیا نے شرافت کے پیاموں کو سیراب کر دیا

۱۹۳

جب کہیں تمام بڑائیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں
میں وصی پیغمبر کے باپ — ابوطالبؑ کی شان میں شعر کہنے
لگتا ہوں

وہ بڑائیوں کی بادش ہے اور سختیوں میں جنگل کے شیر کی طرح دلیر
فریادیلوں کی فریاد کو پہنچنے والا اور دور دور تک چلنے والا چودھویں
کا چاند ہے

رئیس مکہ (ابوطالبؑ) جس کی تلوار سے دشمن دب جاتے ہیں،
تو لوگ رشد و ہدایت کے میدان میں گامزن ہوتے ہیں
بڑائیاں اس کے سامنے عاجزی اور بے مانگی سے گردن خم کرتی ہیں
اور زمانے نے اسے رہنمائی کی فضیلت پیش کر دی ہے
احمدؑ کی امت کا بزرگ اور پاک ائمہ کا دادا
اہل حق کی امیدوں کا مرکز اور بہار شریعت کی پُر برکت بارش
اس نے لوگوں کو اس وقت ہدایت کی جانب بلایا
جب ان میں سے کوئی بھی ہدایت کا راستہ نہیں جانتا تھا
قریش کو اس کی بہت سی کرامتیں یاد تھیں
جن کے ظہور سے لوگوں کے کئی گروہوں نے رسول اکرمؐ کی رسالت
کا پتہ پایا

وہ ایسی کرامتیں تھیں جیسے کہ احمدؑ کو دایہ کے سپرد کرنا لے

لے ابوطالبؑ کی یہ کرامت اصول کافی کے صفحہ ۳۴۴ پر مندرج ہے۔

اور مکہ کی سیرابی کے لیے ان کی دعا کا قبول ہونا لے
اس کے اچھے طور طریقے اسلام کے معمولات میں قائم رہے
جو تمنغہ افتخار کی مانند مسلمانوں کے سینوں پر چمکتے ہیں
اس نے بہترین انسان (رسول اکرمؐ) کی سرپرستی کی
اور خلوص و محبت کے ساتھ ان کے حقوق ادا کیے
لڑکپن میں ان کی پرورش کی اور جوانی میں ان کی نگہبانی کی
اس کے بعد دشمنوں کے آثار سے ان کو بچائے رکھا
اور اس نے ایسی ثابت قدمی سے رسول اکرمؐ کا ساتھ دیا
تا کہ ان کا دین تمام ملکوں میں سر بلند ہی حاصل کرے
وہ ٹھیک ٹھیک جانتا تھا کہ رسول اکرمؐ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں
اُس خدا کے جو آسمان کا اور ہر قوت اور طاقت کا مالک ہے
اگر آنکھ جو انروئیوں کو ایک بدن میں مجتمہ دیکھ سکے
تو اسے ابوطالبؑ! یقیناً وہ تمہیں بطور اس بدن کی روح کے دیکھے گی
شکر ہے خدا کا جس نے تمہیں نیک خصائل کے اس درجے پر پہنچایا
کہ جن سے ساتوں ولایتیں سرسبز و شاداب ہو گئیں
میں تمہاری ہیبت پر ناز کرتا ہوں جس نے تمہارے دشمنوں پر
یعنی ان کا فزوں پر کیکپی طاری کر دی (جو محمدؐ کے دشمن تھے)

لے ابوطالبؑ نے رسول اکرمؐ کے وسیلے سے بارش کی دعا کی اور وہ قبول ہوئی جیسا کہ
تسلائی کی شرح صحیح بخاری کی جلد ۲ کے صفحہ ۲۷۷ پر مذکور ہے۔

نواں باب



ایمانِ ابوطالبؑ کے متعلق

غلاظیراۓ رمضان میں



تفسیر قرآن میں غلط بیانی

ان لوگوں یعنی اہل سنت کے مؤرخین اور محدثین — اسلام کے مزید میدان اور اپنے نیکو کاریوں کے بعد پچھلے مسلمان — ابوطالب — کے بارے میں افتر اور بدگونی میں اتنے آگے نکل گئے ہیں کہ ان کے لیے اپنی من گھڑت کہانیاں بھی کافی ثابت نہیں ہوئیں لہذا وہ قرآن مجید کی طرف بڑھے اور خدا کے کلام میں تخریف کرتے ہوئے اس کی تین آیتوں کو ایسے خود ساختہ معانی پہنا دیے ہیں جو حقیقت اور اصیلت سے بہت دور ہیں۔ یہی جعلی مطالبہ معانی وہ مشہور ترین ماخذ ہیں جن سے انہوں نے ابوطالب کے اسلام نہ لانے کے بارے میں استناد کیا ہے۔ ذیل میں ہم وہ آیات اور ان کے مطالب پیش کرتے ہیں:

پہلی آیت

وہ لوگ دوسروں کو اس کے سننے سے روکتے ہیں اور خود تو الگ تھلگ رہتے ہی ہیں۔ پس وہ اپنے آپ کو ہی ہلاک کرتے ہیں لیکن سمجھنے نہیں۔ (سورۃ النعام - آیت ۳۶)

طبری وغیرہ سفیان ثوری سے، وہ حبیب بن ابی ثابت سے اور وہ ایک شخص سے ابن عباس کا یہ قول نقل کرتا ہے:

یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ لوگوں کو رسول اکرمؐ پر سختی کرنے سے روکتے تھے اور خود اسلام لانے سے دوری اختیار کیے رہے۔ لہ

قرطبی کہتا ہے کہ یہ آیت تمام کفار کے لیے عام ہے کہ وہ محمدؐ کی پیروی سے منع کرتے ہیں اور خود بھی ان سے دوری اختیار کرتے ہیں۔ پھر وہ ابن عباس اور حسن کے طریق سے نقل کرتا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں ہے۔ کیونکہ وہ کفار کو رسول اکرمؐ پر سختی کرنے سے روکتے تھے اور خود آنحضرتؐ پر ایمان لانے سے اجتناب کرتے رہے۔

سیرت نویسوں نے بھی ابن عباس سے ابن الزبیری کا واقعہ نقل کیا ہے۔ وہ اس پر یہ اضااف کرتے ہیں کہ قریش کے مقابل ابوطالب کے ڈٹ جانے

لہ ابن سعد: طبقات جلد ۱ صفحہ ۱۰۵ + طبری: تاریخ جلد ۷ صفحہ ۱۱۰ + ابن کثیر: تفسیر جلد ۲ صفحہ ۱۷۲ + زعمشیری: تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ + ابن جزئی: تفسیر جلد ۲ صفحہ ۶ + تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۱۱۔ ۲۰۰

کے بعد زیر بحث آیت نازل ہوئی اور آنحضرتؐ نے فرمایا:

اے چچا! آپ کے بارے میں ایک آیت نازل ہوئی ہے۔ ابوطالب نے پوچھا: کونسی آیت؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: آپ قریش کو مجھ پر سختی کرنے سے باز رکھتے ہیں لیکن میری نبوت پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں۔ اس وقت ابوطالب نے کچھ شعر کہے جن میں سے ایک یہ ہے:

خدا کی قسم! اپنی کثیر تعداد اور قوت کے باوجود وہ آپ پر ہرگز قابو نہ پاسکیں گے

مگر وہ صرف اس وقت آپ پر قابو پاسکتے ہیں، جب میں حسان قربان کر کے قبر میں دفن ہو جاؤں لہ

ایک بار لوگوں نے پوچھا: خدا کے رسولؐ! کیا ابوطالب کو آپ کی نصرت کرنے کا کوئی فائدہ ہے؟

آپ نے فرمایا: اسی نصرت کی بدولت وہ عذاب کی بیڑیوں اور ہتھکڑیوں نیز شیطین کی ہمسائیگی سے بچ گئے اور انہیں دوزخ کے سانپوں اور پھوٹوں کے بلوں پر نہیں پھینکا گیا۔ ہاں جو عذاب انہیں دیا گیا وہ آگ کے جوتے پہننے کے عذاب کی طرح ہے کہ جس سے ان کا مغز سر جوش کھاتا ہے اور یہ اہل جہنم کی کمترین سزا ہے۔ لہ

لہ دیگر اشعار اس کتاب کے صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ ہوں۔

لہ تفسیر قرطبی - جلد ۶ صفحہ ۲۰۶

علامہ امینی کا موقف یہ ہے:

اس آیت کے ابوطالب کے بارے میں نازل ہونے کا دعویٰ ان
دوجہ کی بنا پر غلط ہے:

وجہ ۱: یہ حدیث مرسل ہے اور ایک نامعلوم شخص سے منسوب
ہے جو ابن عباس اور حبیب بن ابی ثابت کے درمیان وجود رکھتا ہے۔
اسی طرح کے اور بھی بہت سے ناقابل اعتماد اشخاص تھے، جنہوں نے ابن
عباس سے روایت کی ہے اور شاید یہ نامعلوم شخص بھی انہیں میں سے ہے۔

وجہ ۲: اس حدیث کا واحد راوی حبیب بن ابی ثابت ہے اور
اس کے علاوہ اسے کسی نے روایت نہیں کیا۔ پھر اگر ہم فرض کر لیں کہ وہ ثقہ
اور قابل اعتماد ہے تو بھی جو کچھ اس نے روایت کیا ہے اس کی پیروی کرنا ممکن
نہیں ہے۔ حالانکہ اسی حبیب بن ابی ثابت کا تعارف کچھ یوں ہے:

ابن حبان کہتا ہے کہ ”وہ ایک فریبی شخص تھا“

عقیلی کہتا ہے کہ ابن عون نے حبیب کا تعارف ایک بدنام شخص کی
جینیت سے کر لیا اور کہا کہ اس نے عطا سے کچھ احادیث نقل کی ہیں، جن کی
متابعت نہیں کی جاسکتی۔

فقطان کہتا ہے کہ حبیب نے عطا سے بہت سی احادیث روایت کیں
جو قابل توجہ نہیں ہیں۔

آجری نے ابو داؤد سے نقل کیا ہے کہ عاصم بن حمزہ کے بقول حبیب نے
کوئی حدیث روایت نہیں کی ہے۔

ابن حذیفہ کا نظریہ ہے کہ حبیب ایک فریبی شخص تھا۔ ۱۰

علاوہ ازیں اس حدیث کی سند میں ہم سفیان ثوری کی ذات پر بحث
نہیں کرتے اور اس شخص کا قول پیش نہیں کرتے جس کا خیال ہے کہ سفیان
ایک فریبی شخص تھا اور اس نے جھوٹے لوگوں سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ ۱۱
وجہ ۳: مختلف طریقوں سے ابن عباس کی جو صحیح روایات نقل
کی گئی ہیں وہ اس جعلی حدیث کے خلاف ہیں۔ چنانچہ طبری، ابن منذر،
ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے ابن ابی طلحہ اور عوفی کے طریقے سے ابن عباس
سے روایت کی ہے کہ زیر بحث آیت مشرکین کے بارے میں ہے جو لوگوں
کو رسول اکرم پر ایمان لانے سے روکتے تھے اور خود بھی آنحضرت سے دور
رہتے تھے۔ ۱۲

اسی مضمون کی حدیث جو طبری، ابن ابی شیبہ، ابن ابی منذر، ابن ابی
حاتم اور عبد بن حمید نے وکیع کے طریقے سے سالم سے اور اس نے ابن حنفیہ
سے — نیز حسین بن فرج کے طریقے سے ابو معاذ سے اور بشر کے طریقے
سے قتادہ سے روایت کی ہے، وہ بھی اس بات کی تائید کرتی ہے۔

عبدالرزاق، ابن جریر، ابن منذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے قتادہ،
سدی اور ضحاک سے — ابویحییٰ کے طریقے سے مجاہد سے اور یونس کے

۱۰ تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۷۹

۱۱ میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۳۹۳

۱۲ تفسیر طبری جلد ۲ صفحہ ۱۰۹ + تفسیر درمنثور جلد ۳ صفحہ ۸

طریقے سے ابی زید سے روایت نقل کی ہے کہ زیر بحث آیت کا مفہوم یہ ہے کہ کفار کا گروہ لوگوں کو رسول اکرم اور قرآن کی جانب مائل ہونے سے منع کرتا تھا اور خود بھی ان سے دور رہتا تھا۔

ان تمام روایات میں ابوطالب کا کوئی ذکر نہیں اور اس آیت کا روئے سخن ان کافروں کی طرف ہے جو لوگوں کو رسول اکرم یا قرآن کی پروزی کرنے سے روکتے تھے اور جنگ کر کے یا ڈرا دھکا کر ان کو آنحضرتؐ سے علوہ کر دیتے تھے۔ ہمارے قارئین اس بات سے یقیناً واقف ہیں کہ یہ تمام باتیں ان اقوال و افعال کے خلاف ہیں جو رییس مکہ ابوطالب کے حالات زندگی میں بیان ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے زندگی بھر رسول اکرم کی حمایت کی، ان کا ساتھ دیا اور آخری دم تک لوگوں کو ان کی طرف بلانے رہے۔

وجہ ۲: اس آیت کریمہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے اس آیت میں ان زلمہ کافروں کو ملامت کی ہے جو لوگوں کو رسول اکرم کی پیروی سے منع کرتے اور انہیں آنحضرتؐ سے دور ہٹانے رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے اس برے عمل کو آنحضرتؐ کی کھلی مخالفت کی حد تک پہنچا دیا تھا۔ نیز وہ اس آیت کے نزول کے وقت بھی اس برے کام کے مرتکب ہو رہے تھے اور رسول اکرم نے ابوطالب کو بھی اس آیت کے نزول سے آگاہ کیا تھا۔ اے پیغمبر! بے شک تم جسے چاہو راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے لیکن خدا جسے چاہے راہ ہدایت پر لا سکتا ہے۔ ۱۷

۱۷ یہ وہی بات ہے جو اس سے پہلے وجہ ۳ میں تفسیر قرطبی کے حوالے سے بیان ہوئی ہے۔ ۱۷ سورہ نعلصص - آیت ۵۶

بخاری و مسلم میں آیا ہے کہ یہ آیت ابوطالب کی وفات کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب ہم پہلی آیت پر نظر ڈالتے ہیں جو زندہ و موجود کفار کے بارے میں ہے، اس میں ابوطالب کے متعلق قطعاً کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ سورہ انعام کہ جس میں یہ آیت آئی ہے، وہ سورہ قصص کے بعد پانچ سورتوں کے فاصلے سے یکبارگی نازل ہوئی ہے، یس میں یہ ممکن نہیں کہ اس کا اطلاق ابوطالب پر کیا جاسکے جو اس آیت کے نزول سے پہلے فوت ہو گئے اور مومن مٹی نلے دفن ہو چکے تھے۔

وجہ ۳: سورہ انعام کی آیت ۲۶ کو ۲۵ کے ساتھ ملا کر دیکھنا

چاہیے:

آیت ۲۵: ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو تمہاری باتوں کی طرف کان لگائے رہتے ہیں، لیکن وہ انہیں نہیں سمجھ پاتے۔ کیونکہ ہم نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کے کانوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اب اگر وہ ہماری تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تو بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ وہ کفار یہاں تک ضدی ہو گئے کہ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تم سے الجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس (قرآن) میں تو اگلوں کی کہانیوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

آیت ۲۶: وہ لوگ دوسروں کو اس کے سننے سے روکتے ہیں اور خود تو الگ گفتگو رہتے ہی ہیں۔ پس وہ اپنے آپ کو ہی ہلاک کرتے ہیں لیکن سمجھتے نہیں جیسا کہ واضح ہو رہا ہے ان دونوں آیتوں کا اشارہ ان کافروں

کی طرف ہے جو رسول اکرمؐ کے پاس آتے، آنحضرتؐ سے اچھے۔ قرآن مجید پر اگلے لوگوں کی کہانیوں کی تممت لگاتے، لوگوں کو آنحضرتؐ کی کتاب کے متنے سے روکتے اور اپنے آپ کو اور دوسروں کو رسول اکرمؐ سے دور رکھتے تھے۔ لیکن کہاں یہ سب کچھ اور کہاں ابوطالبؑ؟ ابوطالبؑ تو وہ شخص ہیں جنہوں نے زندگی بھر ان میں سے کوئی بھی کام نہیں کیا اور ہمیشہ آنحضرتؐ کے حامی اور محافظ بن کر رہے۔ چنانچہ مفسرین نے بھی اس بات کو سمجھا ہے اور اس قول کو چنداں وقعت نہیں دی کہ زیر بحث آیت کا نزول ابوطالبؑ کے بارے میں ہوا ہے۔ ان میں سے بعض نے تو یہ بھی کہا ہے کہ اس قول کی کوئی سند نہیں، جبکہ کچھ دوسروں نے اس کے برعکس قول ہی کو قابل قبول سمجھا ہے۔ اب ہم ان کے نظریات بطور نمونہ نقل کرتے ہیں:

مفسر طبری لکھتا ہے: یہ آیت جن افراد سے بحث کرتی ہے وہ وہی مشرک ہیں جو خدا کی نشانیوں کو جھٹلاتے، لوگوں کو محمدؐ کی پیروی سے باز رکھتے اور اپنے آپ کو اور دوسروں کو آنحضرتؐ سے دور رکھتے تھے۔ پھر انہیں طریقوں سے جن کا ہم نے (وجہ ۲-۳ میں) پہلے ذکر کیا ہے، ابن حنفیہ، ابن عباس، سدی، قتادہ اور ابو معاذ کے قول سے سند لاتا ہے۔ نیز اس بارے میں وہ ایک قول کا ذکر کرتے ہوئے اسے قتادہ، مجاہد اور ابن زید سے منسوب کرتا ہے۔ جس میں اس آیت سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ قرآن کے سننے اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے منع کرتے تھے۔ ۱۰

پھر اس آیت کے ابوطالبؑ کے بارے میں نازل ہونے نیز حبیب بن ابی ثابت کی اس روایت کے متعلق جو اس نے ایک نامعلوم شخص کے ذریعے ابن عباس سے نقل کی، طبری یوں کہتا ہے: ان اقوال میں سب سے موزوں یہ ہے کہ اس آیت کی تاویل میں ہم اس بات کے قائل ہو جائیں کہ اس کا اشارہ انہی افراد کی طرف ہے جو دوسروں کو پیغمبرؐ کی پیروی سے منع کرنے اور باز رکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں مشرکین کے اس گروہ کا ذکر ہے جو پیغمبرؐ کو جھٹلاتے، ان سے اچھے اور خدا کی جانب سے نازل کی گئی وحی سے روگردانی کرتے تھے۔ پس مناسب ہے کہ وہ اس پیغمبرؐ کی جانب مائل ہونے سے روکتے ہیں۔ یہیں اس جماعت کے اعمال ہی کی خبر ہو۔ کیونکہ ہمارے پاس اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ ان دو آیات کے سلسلہ بیان میں تنخاطب کا رخ ایک سے دوسرے فریق کی طرف تبدیل ہو گیا ہے۔ بلکہ اس آیت سے پہلے اور بعد کی آیات اس قول کو درست ثابت کرتی ہیں کہ ان میں کسی خاص فرد یا افراد سے نہیں بلکہ پیغمبرؐ کی قوم کے مشرکین سے بحث کی گئی ہے۔ لہذا آیت کی تاویل یوں ہے:

”اے محمدؐ! یہ مشرک خواہ ساری کی ساری نشانیاں بھی دیکھ لیں۔ ایمان نہیں لائیں گے۔ جیسا کہ وہ تمہارے پاس آتے ہیں، تم سے اچھے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم ہمارے لیے جو آسمانی کتاب لائے ہو، وہ اگلے لوگوں کے قصے کہانیوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اس طرح وہ نازل کی گئی آیات کو سننے سے انکار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو

اور دوسروں کو تم سے دور رکھتے ہیں۔ مگر وہ ایسا کر کے اپنے علاوہ کسی اور کو ہلاکت میں نہیں ڈالتے ہیں۔ لہٰذا مفسر رازی اس بارے میں دو قول نقل کرتا ہے:

۱۔ یہ آیت ان مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو لوگوں کو رسول اکرمؐ کی نبوت کا اقرار کرنے اور ان کی پیروی کرنے سے باز رکھتے تھے۔

۲۔ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

رازی مزید کہتا ہے کہ پہلا قول دو دلائل کی بنا پر زیادہ قابل قبول ہے۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ اس سے ما قبل کی تمام آیات کفار کی اس جماعت کے کردار کی مذمت میں ہیں۔ لہٰذا لوگوں کو رسول اکرمؐ کی پیروی سے روکنا اور منع کرنا بھی اسی کے ذیل میں آتا ہے۔ اگر ہم فرض کریں کہ منافی کا یہ عمل ابوطالب سے نسبت رکھتا ہے تو ابوطالب کا عمل اس جماعت کے برعکس تھا۔ کیونکہ وہ لوگوں کو رسول اکرمؐ کو تکلیف پہنچانے سے روکتے تھے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ زیر بحث آیت کے بعد خدائے تعالیٰ اس بات کا اضافہ کرتا ہے کہ یہ لوگ اپنے سوا کسی کو ہلاکت اور تباہی کی جانب نہیں لے جاتے۔ پس اس سے وہی جماعت مراد ہے جس

کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ لہٰذا یہ درست نہیں ہے کہ اس سے مراد ہو کہ جو لوگ رسول اکرمؐ پر سختی کرنے والوں کو روکتے اور منع کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو تباہ کر لیتے ہیں، کیونکہ ایسا نیک کام ہلاکت اور تباہی کا موجب نہیں ہوتا۔

اگر ہم سے یہ کہا جائے کہ وہ اپنے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالتے“ کا جملہ ”خود تو اس سے الگ تھلگ رہتے ہی ہیں“ کے ساتھ مربوط ہے اور ”دوسروں کو اس کے سننے سے روکتے ہیں“ سے اس کا تعلق نہیں ہے اس لیے کہ اس عبارت سے مراد یہ ہے کہ جس گروہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ پیغمبرؐ کا دین ترک کرنے اور آنحضرتؐ کے ساتھ ناسازگاری کی بنا پر ان سے دوری اختیار کرتے ہیں اور یہ بات قابل مذمت ہے اور تمہارا استدلال درست نہیں ہے۔ اس پر ہمارا جواب یہ ہے کہ ”وہ اپنے سوا کسی کو ہلاکت میں نہیں ڈالتے“ کی عبارت اپنے ما قبل سے مربوط ہے اور تمہارے قول کی مثال وہی ہے جیسے کہا جائے کہ ”فلان شخص جو فلاں شخص کو کسی کام سے روکتا ہے اور ہڈا دیتا ہے“ وہ اس میں اپنے علاوہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا؛ حالانکہ یہ نقصان ان دو میں سے صرف ایک کو نہیں بلکہ دونوں ہی کو پہنچتا ہے۔

مفسر ابن کثیر بھی ابن حنفیہ، قتادہ، مجاہد، ضحاک اور کئی دوسرے راویوں سے پہلا قول نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

حقیقت کا علم تو خدا ہی کو ہے مگر یہ قول واضح اور منطقی معلوم ہوتا

ہے۔ نیز ابن جریر طبری نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ لہ

نسفی نے پہلا قول نقل کیا اور کہا ہے: کہا گیا ہے کہ یہ آیت ابو طالب کے بارے میں ہے، حالانکہ پہلا قول یعنی اس آیت کا مشترکین سے مربوط ہونا زیادہ منطقی ہے۔ ۲

مفسر زمخشری، شوکانی اور کئی دوسرے مفسروں نے بھی پہلا قول اختیار کیا ہے اور دوسرے قول کو ایک بلا ثبوت دعویٰ قرار دیا ہے۔ ۳ ان کے بعد اوسمی نے بھی پہلے قول کو تفصیل سے پیش کیا ہے۔ دوسرے قول کے بارے میں لکھا ہے کہ امام رازی نے اسے ذکر دیا ہے پھر ان کی عبارت کا ما حاصل نقل کیا ہے۔

اس مقام پر علامہ امینی اس عبارت کا اضافہ کرتے ہیں:

جب قرطبی نادانی کے عالم میں ہماری جانب قدم بڑھا رہا تھا تو اس کے دونوں ہونٹوں کے درمیان ایک ایسی روایت تھی جو اس نے رات کے وقت لکڑیاں اکٹھی کرنے والے لکڑہارے کی طرح کہیں سے اٹھالی تھی۔ لے کاش کہ وہ ہماری رہنمائی اپنی اس من گھڑت داستان کے مصدر کی طرف کرتا کہ اس نے یہ کہاں سے اخذ کی؟ اس کی اسناد کس شخص تک پہنچی ہیں؟ اس روایت کے نقل کرنے میں کون کون سے حفاظ

۱۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۶۲

۲۔ تفسیر نسفی بر حاشیہ خازن جلد ۲ صفحہ ۱۱

۳۔ تفسیر مشاف جلد ۱ صفحہ ۴۲۸ + تفسیر شوکانی جلد ۲ صفحہ ۱۰۳

۲۱۰

حدیث اس کے ساتھ ہیں؟ اور اس سے پہلے کن مؤلفین نے ان کو نقل کیا ہے؟ وہ کون ہے جو یہ کہتا ہے کہ قرطبی نے ابن زبیری کے واقعہ میں جو اشعار نقل کیے ہیں وہ ابو طالب ہی کے ہیں؟ کس شخص نے یہ روایت کی ہے کہ زیر بحث آیت اسی دن نازل ہوئی؟ اس آیت کے نزول پر رسول اکرم کے ابو طالب کو خبردار کرنے اور ابو طالب کے اشعار میں کیا ربط اور علاقہ ہے؟ قرطبی کا یہ من گھڑت جملہ کہ ”لے چچا! آپ کے بارے میں ایک آیت نازل ہوئی ہے“ کیا اس سے پہلے یا اس کے بعد۔ ائمہ حدیث میں سے کسی نے یہ جملہ نقل کیا ہے؟ کیا قرطبی کو اس روایت کے آخری حصے کے لیے اپنی تفسیر کے علاوہ کوئی اور مصدر اور ماخذ بھی ملا ہے؟ کیا اس نے جہنم میں سانپوں اور بچھوؤں کے بل دیکھے ہیں اور انہیں ابو طالب سے خالی پایا ہے؟ کیا اس نے جہنم کی ہتھکڑیاں اور بیڑیاں باندھی اور کھولی ہیں۔ تاکہ پہچان لیتا کہ سید مژدار مکہ — ابو طالب — ان ہتھکڑیوں اور زنجیروں سے نہیں باندھے گئے؟ یا پھر ایسا ہوا ہے کہ اس نے آنحضرت کی حدیث سے یہ باتیں خود ہی اخذ کی ہیں؟

کیا ہی اچھا ہوتا اگر قرطبی کے یہ سہانے خواب حقیقت کا روپ دھار لیتے! مگر اب وہ ہمارے بہت سے قطعی دلائل کے سامنے مغلوب اور محکوم ہو کر رہ گیا ہے۔

۲۱۱

دوسری اور تیسری آیت

دوسری آیت: پیغمبرؐ اور مومنین کے لیے یہ مناسب نہیں کہ یہ جان لینے کے بعد کہ مشرکین جہنمی ہیں، ان کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگیں خواہ وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔ لہ

تیسری آیت: اے پیغمبرؐ! بے شک تم جسے چاہو راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے لیکن خدا جسے چاہے راہ ہدایت پر لا سکتا ہے اور وہی ہدایت یافتہ لوگوں سے بخوبی واقف ہے۔ لہ

دونوں آیتوں کے شان نزول

کی روایت

ابو ایمان نے شعیب سے، اس نے زہری سے، اس نے سعید بن مسیب سے اور اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: ابوطالبؓ کی وفات کے وقت جب رسول اکرمؐ ان کے سر ہانے تشریف لائے تو آپ نے ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ کو وہاں دیکھا۔ تب آنحضرتؐ نے فرمایا: اے چچا! کہو لا الہ الا اللہ — یہ وہ کلمہ ہے جس کے ذریعے میں خدا کے حضور میں آپ کے لیے حجت

لہ سورۃ توبہ - آیت ۱۱۳ ۲ سورۃ قصص - آیت ۵۶

پیش کر سکتا ہوں۔ اس پر ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے ابوطالبؓ سے کہا: کیا تم عبدالمطلب کے مذہب سے روگردانی کر رہے ہو؟

اس وقت رسول اکرمؐ بار بار یہی ارشاد فرما رہے تھے اور وہ دونوں اشخاص بھی اپنی بات دہرائے جا رہے تھے — حتیٰ کہ ابوطالبؓ نے اپنے آخری الفاظ کہے: ”عبدالمطلب کے مذہب پر“ — اور یوں وہ لا الہ الا اللہ کہنے سے باز رہے۔ تاہم رسول اکرمؐ نے فرمایا: ”خدا کی قسم! جب تک مجھے آپ کے لیے مغفرت کی دعا مانگنے سے منع نہیں کر دیا جائے گا — میں یہ عمل کرتا رہوں گا۔ اس اثنا میں خدا نے تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:

”پیغمبرؐ اور مومنین کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگیں“

پھر ابوطالبؓ کے بارے میں بھی یہ آیت نازل ہوئی:

”اے پیغمبرؐ! بے شک تم جسے چاہو راہ راست پر نہیں

لا سکتے۔ لیکن خدا جسے چاہے راہ راست پر لا سکتا ہے۔ لہ

صحیح بخاری کی طرح — صحیح مسلم میں بھی یہ روایت سعید بن مسیب

کے طریقے سے نقل ہوئی ہے اور طبری نے اس کو مرسل روایت کی شکل میں

لکھا ہے۔ پھر صحیح بخاری و صحیح مسلم پر اور ان دونوں کتابوں کے مؤلفین

پر اپنے خاص اعتماد کے تحت تمام بڑے بڑے مفسرین نے بھی اس

لہ صحیح بخاری جلد ۱ کتاب التفسیر باب قصص صفحہ ۱۸۴

روایت کو اپنی تفسیروں میں درج کیا ہے۔ مذکورہ روایت پر تنقیدی نظر

— اس روایت کا داحدر اووی — سعید بن مسیب — ان اشخاص میں سے ہے جنہوں نے امام علیؑ سے اپنی کھلی دشمنی کا اظہار کیا ہے۔ لہذا وہ امام علیؑ، آپ کے والد اور آپ کے خاندان کے بارے میں جو کچھ کہے یا گھرے اسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ ایک ایسا شخص ہے جس کی مرغوب ترین چیز اس خاندان کی بدگوئی ہے۔ جیسا کہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ سعید بن مسیب امام علیؑ سے منحرف رہا اور عمر بن علیؑ نے بھی اس کے ساتھ سخت رویہ اختیار کیا تھا۔ چنانچہ عبدالرحمن بن اسود — ابو داؤد ہملنی سے نقل کرتا ہے:

میں نے عمر بن علیؑ بن ابی طالبؑ کو دیکھا کہ وہ سعید بن مسیب کی جانب آرہے تھے۔ سعید نے ان کو مخاطب کر کے کہا: اے بھتیجے! تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم حضرت رسولؐ کی مسجد میں اتنا آتے جاتے ہو؟ اور پھر تمہارے سگے اور چچا زاد بھائی بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔

عمر نے کہا: اے مسیب کے بیٹے! کیا یہ ضروری ہے کہ جب کبھی میں مسجد میں آؤں تو تم سے اجازت لیا کروں؟

سعید نے کہا: میں نہیں چاہتا کہ تم کو ناراض کروں، کیونکہ میں نے تمہارے باپ (علیؑ) کو یہ کہتے ہوئے سنا: بلاشبہ میں خدا کی بارگاہ میں

وہ رتبہ اور مقام رکھتا ہوں کہ جو عبدالمطلب کے فرزندوں کے لیے روئے زمین کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ عمر نے کہا: میں نے بھی اپنے باپ (علیؑ) کو یہ کہتے ہوئے سنا: منافق کے دل میں ایسا کوئی حکمت آمیز کلام نہیں ہوتا۔ جسے وہ مرنے سے پہلے اپنی زبان سے ظاہر نہ کرے۔ سعید نے کہا: اے بھتیجے! کیا یہ کہہ کر تم نے مجھے نفاق سے نسبت دی ہے؟ عمر نے جواب دیا: بات وہی ہے جو میں نے کہی ہے۔ اس کے بعد عمر بن علیؑ وہاں سے چلے گئے۔ لے

واقعی نقل کرتا ہے:

سعید بن مسیب امام علیؑ بن الحسینؑ کے جنازے کے پاس سے گزر گیا اور اس میں شامل نہ ہوا۔ تب اس سے پوچھا گیا: یہ نیکو کار مرد کہ جو اہل بیت صالحینؑ میں سے ہے، کیا تم اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھو گے؟ اس نے جواب دیا: میں اس صالح مرد کی نماز جنازہ پڑھنے کے مقابلے میں کسی اور جگہ پر دو رکعت نماز پڑھنا بہتر سمجھتا ہوں۔

سعید بن مسیب کی ذات کا تعارف کرانے اور خدا کے دین کے بارے میں اس کے علم کی کیفیت بتانے کے لیے درج ذیل روایت ہی کافی ہے:

فتاویٰ کا بیان ہے کہ میں نے سعید بن مسیب سے پوچھا: کیا (بتی امیہ کے جلاو) حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟

سعی نے جواب دیا: میں تو اس سے بھی بدتر شخص کے پیچھے نماز پڑھنے کو تیار ہوں۔^{۱۷}

۲۔ بخاری و مسلم اور دوسرے لوگوں کی بیان کی ہوئی اس روایت سے بظاہر اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ سابق الذکر دونوں آیات یکے بعد دیگرے ابوطالب کی وفات کے وقت نازل ہوئی ہیں۔ نیز ان میں سے ہر ایک کا مفہوم بھی ان کے اس وقت نازل ہونے پر دلالت کرتا ہے؛ حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ کیونکہ پہلی آیت مدنی ہے اور مفسرین متفق ہیں کہ یہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ مزید برآں یہ سورۃ توبہ میں شامل ہے جو مدنی ہے اور قرآن مجید کا آخری سورۃ نازلہ ہے جبکہ دوسری آیت سورۃ قصص میں ہے جو کی سورہ بے اور ان ہر دو آیات کے وقت نزول میں تقریباً ۱۰ سال کا فاصلہ ہے۔

۳۔ آیت استغفار (پہلی اور مومنین کے لیے مناسب نہیں...)

ابوطالب کی وفات کے تقریباً آٹھ سال بعد مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ کیا اس مدت میں رسول اکرمؐ اپنے ارشاد کے مطابق ابوطالب کے لیے مغفرت کی دعا مانگتے رہے تھے؟ لیکن آپ ان کے لیے مغفرت کی دعا

۱۷ ابن حزم: المحلی جلد ۴ صفحہ ۲۱۴

۱۸ بخاری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ ابوطالب نے کلمہ توحید پڑھا تو حضرت رسولؐ نے فرمایا: خدا کی قسم! جب تک مجھے آپ کے لیے مغفرت کی دعا مانگنے سے منع نہیں کر دیا جائے گا۔ میں یہ عمل کرتا رہوں گا۔

۲۱۶

کیے مانگ سکتے تھے؟ جبکہ اس آیت کے نازل ہونے سے بہت پہلے ایک اور آیت کے ذریعے آنحضرتؐ کو اور مومنین کو مشرکوں اور منافقوں کے ساتھ محبت و دوستی رکھنے سے منع کر دیا گیا تھا۔

جیسا کہ کہا گیا:

جو لوگ خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، تم ان کو خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے۔ اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہی وہ گردہ مومنین ہے جن کے دلوں میں خدا نے ایمان کو ثابت کر دیا ہے اور خاص اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے۔^{۱۹}

سورۃ مجادلہ۔ سات سوروں کے فاصلے سے۔ سورۃ توبہ سے

پہلے مدینہ میں نازل ہوا۔ گویا کہ سورۃ مجادلہ کی یہ آیت جس میں مشرکوں اور منافقوں کی دوستی سے منع کیا گیا۔ سورۃ توبہ کی اس آیت سے بہت پہلے نازل ہوئی۔ جس میں مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگنے سے منع کیا گیا تھا۔^{۲۰}

۱۹ ظاہر ہے کہ مشرکوں اور منافقوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا ان سے محبت و دوستی کا بڑا واضح ثبوت ہے۔

۲۰ سورۃ مجادلہ۔ آیت ۲۲

۲۱ تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۱۷

۲۱۶

جیسا کہ ابن ابی حاتم، طبرانی، حاکم، ابوالنعیم، بیہقی، ابن کثیر، شوکانی اور آلوسی نے نقل کیا ہے :

”بعض تفاسیر کے مطابق سورہ مجادلہ کی یہ آیت ہجرت کے دوسرے سال میں جنگ بدر کے دن نازل ہوئی تھی، جبکہ سیرت حلبیہ کے مطابق مورخین اور مفسرین متفق ہیں کہ یہ آیت ہجرت کے تیسرے سال میں جنگ احد کے موقع پر نازل ہوئی ہے۔ لہ

پس ثابت ہوا کہ سورہ مجادلہ میں منع دوستی بہ مشرکین کی یہ آیت سورہ توبہ کی آیت استغفار سے کئی سال پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس لیے ان دونوں آیتوں کے ابوالطیب کی وفات کے وقت نازل ہونے کی روایت جھوٹ کی پوٹ ہے۔

اس موضوع سے متعلق دیگر آیات

۱۔ اے ایمان والو! مومنوں کی بجائے کافروں کو اپنا سرپرست اور دوست نہ بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر خدا کا ایک صریح الزام قائم کر لو۔ لہ

یہ آیت سورہ نسا میں آئی ہے جو کی سورہ ہے۔ لیکن نحاس کہتا ہے

لہ تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۲۹ + تفسیر شوکانی جلد ۵ صفحہ ۱۸۹ + تفسیر آلوسی

جلد ۲۸ صفحہ ۳

لہ سورہ نسا۔ آیت ۱۲۴

کہ علقمہ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن کی جو آیت ”اے لوگو! کہ خطاب سے شروع ہو وہ لکھی جوتی ہے۔ پھر اگر ہم قرطبی کا وہ نظریہ قبول کر لیں جو اس نے بی بی عائشہ کے قول سے اخذ کیا ہے تو پھر سورہ نسا ہجرت کے ابتدائی سالوں میں مدینہ میں نازل ہوا ہے۔ لہ

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سورہ نسا لکھی ہو یا مدنی — بہر صورت یہ پہلے نازل ہوا ہے اور سورہ توبہ — اکیس سورتوں کے فاصلے سے — اس کے بعد نازل ہوا جس میں ہماری زیر بحث آیت استغفار آئی ہے۔ لہ جو لوگ مومنوں کی بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ لہ یہ آیت بھی سورہ نسا میں ہے جو سورہ توبہ سے پہلے نازل ہوا ہے۔

۳۔ مومنین کو چھوڑ کے کافروں کو اپنا سرپرست اور دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے گا اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں —

لہ تفسیر قرطبی جلد ۵ صفحہ ۴ + صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۳، جہاں بی بی عائشہ سے مروی ہے کہ سورہ نسا کوئی جزو نازل نہیں ہوا مگر اس صورت میں کہیں رسول اکرم کے ہاں تھی۔

لہ تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۱۷

لہ سورہ نسا۔ آیت ۱۳۹

مگر یہ کہ ایسا تقبیہ کی خاطر کیا جائے۔ ہاں خدا تم کو اپنی ہی ذات سے ڈراتا ہے اور تم کو خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ۱۷
 یہ آیت سورہ آل عمران میں ہے جس کی اس سے کچھ اور کی ابتدائی آیتیں ہجرت کے اوائل میں بخران کے عیسائی وفد کی مدینہ آمد کے دن نازل ہوئی ہیں۔ ۱۸

لیکن قرطبی اور دیگر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت ہجرت کے پانچویں سال — جنگ احزاب (خندق) کے دن عبادۃ بن صامت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ۱۹

مذکورہ بالا ہر دو صورتوں میں سے خواہ کوئی بھی صورت رہی ہو مگر یہ بات طے ہے کہ سورہ آل عمران — چوبیس سو روں کے فاصلے سے — سورہ توبہ سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ ۲۰

۳ — تم ان (منافقوں) کے لیے مغفرت کی دعا مانگو یا نہ مانگو کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ خدا انہیں ہرگز نہیں بخشنے گا۔ ۲۱
 یہ آیت سورہ منافقوں میں ہے اور جیسا کہ سیرت رسول ۴ اور

غزوات پیغمبر کی کتابوں کے مؤلفین میں مشہور ہے۔ یہ سورہ ہجرت کے چھٹے سال میں غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر نازل ہوا یہی بات ابن کثیر نے بھی نقل کی ہے۔ ۱۷

پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سورہ منافقون — آٹھ سو روں کے فاصلے سے — سورہ توبہ سے پہلے نازل ہوا ہے۔ ۱۸

۵ — اے ایماندارو! اگر تمہارے ماں باپ اور بہن بھائی کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں تو ان کو اپنا خیر خواہ نہ سمجھو اور جو کوئی ان سے الفت رکھے گا تو یہی لوگ ظالم ہیں۔ ۱۹

۶ — اے پیغمبر! تم ان (منافقوں یا کافروں) کے لیے مغفرت کی دعا مانگو یا نہ مانگو — اگر تم ان کے لیے ستر بار بھی دعا مانگو گے تو بھی خدا ان کو ہرگز نہ بخشنے گا۔ ۲۰

یہ دونوں آیتیں سورہ توبہ میں ہیں جو اسی سورہ کی زیر بحث آیت استغفار سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔

کیا آیت استغفار سے پہلے کی نازل شدہ ان تمام آیات ۱۷ کے

۱۷ سورہ آل عمران - آیت ۲۸

۱۸ سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۰۷

۱۹ تفسیر قرطبی جلد ۴ صفحہ ۵۸ + تفسیر خازن جلد ۵ صفحہ ۲۳

۲۰ تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۱

۲۱ سورہ منافقون - آیت ۶

۲۲۰

۱۷ تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۶۹ + تفسیر قرطبی جلد ۱۸ صفحہ ۱۲۷

۱۸ تفسیر اتقان جلد ۱ صفحہ ۱۷ سورہ توبہ - آیت ۲۳

۱۹ سورہ توبہ آیت ۸۰

۲۰ سورہ آل عمران - آیت ۲۸ + سورہ نسا - آیت ۱۳۹ + سورہ توبہ

آیت ۲۳ + سورہ مجادلہ - آیت ۲۲ + سورہ منافقون - آیت ۶

۲۲۱

ہوتے ہوئے یہ بات قابل قبول ہے کہ مخالفین کے بقول رسول اکرم کے جو چچا کفر کی حالت میں فوت ہوئے ہوں — آنحضرتؐ ساہا سال تک ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہے ہوں؟ جبکہ آپ ابوطالب کی ساری زندگی میں ان کے حالات کا نزدیک سے مشاہدہ کرتے رہے تھے! لہذا ممکن ہی نہیں کہ ایسا ہوا ہو اور یہ ممکن ہی نہیں کہ عالی مرتبہ پیغمبرؐ نے ایسا کیا ہو!!

شاید ان تمام دلائل کی بنا پر ہی حسین بن فضل نے آیت استغفار کا ابوطالب کے بارے میں نازل ہونا بعید سمجھا اور کہا ہے:

اس آیت کا ابوطالب کے بارے میں نازل ہونا ایک بعید بات ہے۔ کیونکہ یہ سورہ توبہ میں ہے جو قرآن مجید میں نازل ہونے والے آخری سوروں میں سے ہے، جب کہ ابوطالب اسلام کے ابتدائی دور میں ہی فوت ہو گئے اور اس وقت رسول اکرمؐ ابھی مکہ میں ہی تھے۔ حسین بن فضل کے اس قول کو درست قرار دیتے ہوئے قرطبی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ لہ

ایسی روایات بھی موجود ہیں جو اس آیت کے ابوطالب کے بارے میں نازل ہونے کی روایت سے متضاد ہیں اور ہم ان میں سے چند ایک یہاں نقل کرتے ہیں:

— طیبی، ابن ابی نزیبہ، احمد، ترمذی، نسائی، ابویعلیٰ، ابن جریر

لہ تفسیر قرطبی جلد ۸ صفحہ ۲۷۳

۲۲۲

ابن منذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، حاکم، لہ ابن مردویہ، بیہقی لہ اور ضیاء نے (امام) علیؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

میں نے ایک شخص کو اپنے والدین کے لیے استغفار کرنے سنا اور اس کے ماں باپ دونوں ہی مشرک تھے۔ میں نے کہا: وہ دونوں مشرک تھے اور پھر بھی تم ان کے لیے استغفار کرتے ہو؟ اس نے کہا: کیا ابراہیمؑ نے بھی اسی طرح استغفار نہ کی تھی۔ اس کے بعد میں نے یہ واقعہ رسول اکرمؐ کے سامنے پیش کیا اور یہ آیات نازل ہوئیں:

”پیغمبر اور مومنین پر جب ظاہر ہو چکا کہ مشرکین جہنمی ہیں تو اس کے بعد منا سب نہیں کہ ان کے لیے مغفرت کی دعائیں مانگیں — اگرچہ وہ مشرکین انکے قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں — اور ابراہیمؑ کا اپنے چچا (آذر) کے لیے معافی کی دعا مانگنا صرف اس وعدے کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اپنے چچا سے کیا تھا۔ پھر جب انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے، بے شک ابراہیمؑ بڑے صابر اور بردبار تھے۔ لہ

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مشرکین کے لیے استغفار کا ناجائز

لہ حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

لہ اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان اور ضیاء نے مختارہ میں نقل کیا ہے۔

کہ سورہ توبہ - آیت ۱۱۳، ۱۱۴

۲۲۳

یہ ایک سچی گواہی ہے اور جب یہ سابقہ ذکر روایت کی تائید کر رہی ہے تو پھر اس کی صحت یقینی ہو جائے گی اور اس پر لازمًا عمل کرنا ہوگا۔ چنانچہ اس پہلی روایت کا واضح مطلب یہ ہے کہ۔ آیت استغفار جس پر بحث ہو رہی ہے، وہ ابوطالب کے بارے میں نہیں بلکہ عام لوگوں کو اپنے مشرک اجداد کے لیے استغفار کرنے کی ممانعت کرنے کے لیے نازل ہوئی ہے۔

۳۔ صحیح مسلم، مسند احمد حنبلی، سنن ابوداؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کے مؤلفین نے آیت استغفار کے نزول میں ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا:

جب رسول اکرمؐ اپنی والدہ کے مزار پر آئے تو آپ بہت روتے اور تمام ساتھیوں کو بھی رولا یا۔ پھر آنحضرتؐ نے فرمایا: میں نے خدا کے تعالیٰ سے اجازت مانگی کہ اپنی ماں کے لیے استغفار کروں لیکن اس نے اجازت نہ دی۔ پھر میں نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت مانگی تو خدا نے تعالیٰ نے اس کی اجازت دے دی۔ پس تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ چیز آخرت کی یاد دلاتی ہے۔ لہ

۴۔ حاکم، طبری، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے ابن مسعود کے طریقے سے نیز بریدہ، طبرانی، ابن مردویہ اور طبری نے عکرمہ کے طریقے سے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

لہ ارشاد اساری فی شرح بخاری جلد ۷ صفحہ ۱۵۱

ہونا ایک جانی پہچانی بات تھی جس کی صراحت اس آیت کے نزول سے پہلے ہی ہو چکی تھی اور اسی بنا پر امام علیؑ نے اس شخص کی بات پر گرفت کی تھی لیکن اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ابوطالب مشرک تھے تو بھی امام کا یہ قول اس بات کی تائید نہیں کرتا کہ رسول اکرمؐ اپنے چچا کے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے۔ چنانچہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ امامؑ سے گفتگو کرنے والا شخص اپنے عمل کی توجیہ میں یہ نہیں کہتا کہ جیسے رسول اکرمؐ اپنے چچا کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں، میں بھی اپنے مشرک والدین کے لیے دعا کرتا ہوں۔ وہ جانتا تھا کہ آنحضرتؐ مشرکین کے لیے ہرگز استغفار نہیں فرماتے۔

۲۔ مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں سید زینی دحلان لکھتے ہیں:

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے ثبوت میں ہمارے پاس ابن عباس کی ایک روایت موجود ہے جس کا مضمون یہ ہے:

لوگ اپنے باپ دادا کے لیے مغفرت کی دعا کرتے تھے۔ جیسی کہ سورۃ توبہ کی زیر بحث آیت ۱۱۳ نازل ہوئی۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنے مشرک مردگان کے لیے استغفار کرنا ترک کر دیا لیکن اپنے زندہ مشرک عزیزوں کے لیے ان کی زندگی تک استغفار کرنا نہ چھوڑا۔ تب خدا نے تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

”اور ابراہیمؑ کا اپنے چچا (آؤد) کے لیے معافی کی دعا مانگنا...“

یعنی جب تک ابراہیمؑ کا چچا زندہ رہا وہ اس کے لیے استغفار کرتے رہے، لیکن اس کے فوت ہو جانے کے بعد انہوں نے یہ عمل ترک کر دیا“ اور....

آیات میں سے ہے جو مدینہ میں نازل ہوا ہے۔ لہ
 قسط لانی لکھنا ہے:

تاریخ میں مذکور ہے کہ رسول اکرمؐ عمرہ کے دوران اپنی والدہ کی
 قبر پر گئے اور خدائے تعالیٰ سے ان کے لیے استغفار کرنے کی اجازت مانگی
 — اس وقت آیت استغفار نازل ہوئی۔ ۲

ابن ابی حاتم اور حاکم نے ابن مسعود سے اور طبرانی نے ابن عباس
 سے یہی قول نقل کیا ہے جو بجا ہے خود اس بات کی دلیل ہے کہ آیت استغفار
 ابوطالب کی وفات کے بعد نازل ہوئی ہے۔ پس حقیقت یہ ہے کہ سورہ توبہ
 اور سورہ مجادلہ کی مذکورہ آیات منفلاً نہیں آتی ہیں۔
 علامہ امینی لکھتے ہیں:

وہ تمام آیات کہ جن کا ہم نے پیش تر ذکر کیا اور وہ سب کی سب
 زیر بحث آیت (استغفار) سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔ ان آیتوں کے آجانے
 کے باوجود بھی غزوہ تبوک کے دن تک رسول اکرمؐ کو کیوں اور کیسے یہ علم
 نہیں ہوا کہ ان کو اور مومنین کو مشرکین کے لیے استغفار اور شفاعت کی
 اجازت نہیں دی گئی؟ آیا آنحضرتؐ نے جانتے بوجھتے ہوئے اپنی والدہ کے لیے
 خدائے تعالیٰ سے مغفرت اور شفاعت طلب کی؟ یا شاید آپؐ نے یہ خیال کیا
 کہ ان کی والدہ کا معاملہ دوسرے انسانوں سے الگ ہے؟ یا ایسا ہے کہ

۱۔ تفسیر کشاف جلد ۲ صفحہ ۲۹
 ۲۔ ارشاد الساری جلد ۲ صفحہ ۲۷۰
 ۲۲۷

جب رسول اکرمؐ غزوہ تبوک سے واپس آئے تو آپؐ نے عمرہ ادا کیا
 اور پھر اپنی والدہ کی قبر پر گئے۔ تب آپؐ نے خدائے تعالیٰ سے ان کے لیے
 استغفار کرنے کی اجازت مانگی اور یہ تمنا بھی کی کہ وہ آپؐ کو قیامت کے دن
 ان کی شفاعت کرنے کی اجازت بھی دے۔ لیکن خدائے تعالیٰ نے آپؐ کی
 یہ دونوں دعائیں قبول نہ فرمائیں اور اس وقت آیت استغفار نازل ہوئی۔ لہ
 ۵۔ عطیہ عوفی سے روایت ہے کہ اس نے کہا:

جب رسول اکرمؐ مکہ روانہ ہوئے تو آپؐ اپنی والدہ کی قبر پر اتنی
 دیر تک کھڑے رہے، حتیٰ کہ دھوپ نے آپؐ کو تپا دیا۔ کیونکہ آنحضرتؐ کو امید
 تھی کہ انہیں اپنی والدہ کے لیے استغفار کی اجازت مل جائے گی۔ لیکن ایسا نہ
 ہوا اور پھر یہ آیت نازل ہوئی:

”پنچ پیر اور مومنوں کے لیے مناسب نہیں کہ...“ ۲

زمخشری نے — آیت استغفار کے ابوطالب کے بارے میں
 نزول کی مشہور حدیث نقل کی ہے اور پھر اس حدیث کو جو ابھی اوپر بیان
 ہوئی، مذکورہ آیت کے نزول کا سبب قرار دیا اور کہا ہے:
 یہ روایت حقیقت سے قریب تر ہے کیونکہ ابوطالبؓ ہجرت سے پہلے
 فوت ہو گئے تھے، جب کہ زیر بحث آیت (استغفار) اس سوسے کی آخری

۱۔ تفسیر طبری جلد ۱ صفحہ ۳۱ + ارشاد الساری جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ + درمنثور

۲۔ جلد ۳ صفحہ ۲۸۳
 ۳۔ تفسیر طبری جلد ۱ صفحہ ۳۱

یہ روایت جعلی ہے جو رسول اکرمؐ کی شان کے خلاف ہے اور آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ کے پاک دامن کو بھی شرک سے آلودہ کر رہی ہے۔

۶۔ قنادہ سے روایت ہے کہ اس نے کہا: ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اکرمؐ کے کچھ اصحاب نے کہا:

اے خدا کے رسول! ہمارے بعض اجداد ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے تھے، صلہ رحم کا لحاظ رکھتے تھے، اسیروں کو رہا کرتے تھے اور اپنے وعدے پورے کیا کرتے تھے، کیا ہم ان کے لیے استغفار نہ کریں؟

آنحضرتؐ نے جواب دیا: خدا کی قسم! میں اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہوں جیسے ابراہیمؑ اپنے چچا (آذر) کے لیے دعا کرتے تھے۔

تب خدائے تعالیٰ نے آیت استغفار نازل کی اور اس کے ایک حصے میں ابراہیمؑ کے عمل کو مستثنیٰ قرار دیا۔

۷۔ طبری نے عطیہ عوفی کے طریقے سے ابن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے: رسول اکرمؐ اپنے والد کے لیے دعائے مغفرت کرنا چاہتے تھے۔ اس پر خدائے تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا اور یہ آیت نازل کی:

”پنچبر اور مومنین کے لیے مناسب نہیں کہ مشرکوں کے لیے مغفرت کی دعا مانگیں....“

رسول اکرمؐ نے عرض کیا: ”ابراہیمؑ نے تو اپنے چچا (آذر) کے لیے استغفار کی تھی“ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ابراہیمؑ کا اپنے چچا (آذر)

کے لیے معافی کی دعا مانگنا صرف اس وعدے کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اس سے کیا تھا.... لہ

مذکورہ بالا روایات (۶-۷) سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت استغفار کا نزول رسول اکرمؐ کے باپ اور بعض صحابہ کے باپوں کے بارے میں ہوا، لیکن آنحضرتؐ کے چچا اور والدہ کے لیے نہیں تھا۔

۸۔ طبری کہتا ہے:

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس آیت میں استغفار کے معنی نماز جنازہ پڑھنے کے ہیں۔ پھر وہ مشنی کے طریق سے عطاء ابن ابی رباح کا یہ قول بیان کرتا ہے:

میں نے اہل قبلہ میں سے کسی کی نماز جنازہ پڑھنا کبھی ترک نہیں کیا اگرچہ وہ ولد الزنا جہشی ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ میں نے نہیں سنا کہ خدائے تعالیٰ نے مشرکین کے علاوہ کسی اور کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہو۔ جیسا کہ فرماتا ہے:

”پنچبر اور مومنین کے لیے مناسب نہیں کہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں....“

اگر یہ تفسیر صحیح ہے تو پھر ان تمام روایات کے خلاف ہے جو ہم نے نقل کی ہیں کیونکہ وہ روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آیت کا مطلب

معفرت طلب کرنا ہے، جیسا کہ لفظ استغفار کے ظاہری معنی سے معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے جو اٹھ روایتیں نقل کی ہیں وہ ایک دوسری کی مخالفت کرتی ہیں۔ پھر یہ سب بخاری کی اس مشہور روایت سے بھی اختلاف رکھتی ہیں جس پر ہماری بحث ہو رہی ہے۔ پس ان سب کا باہمی تضاد ان کو بے اعتبار بنا دیتا ہے۔ لہذا ان کو کسی معاملے میں سند قرار نہیں دیا جاسکتا۔ خصوصاً جب ان پر اعتماد کرنے کا نتیجہ ایک نیکو کار مسلمان کو کافر قرار دینا اور ایک ایسے شخص کو دین سے خارج کرنا ہو۔ جس نے دین کی خاطر اپنا سب کچھ لٹا دیا ہو۔

بخاری کی روایت سے جس چیز کا پتا چلتا ہے وہ یہ ہے کہ آیت استغفار ابوطالب کی وفات کے زمانے میں نازل ہوئی ہے، جیسا کہ ابو اسحاق بن بشر اور ابن عساکر کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے جو انہوں نے حسن سے نقل کی ہے کہ اس نے کہا:

جب ابوطالب نے وفات پائی تو رسول اکرم نے فرمایا: ابراہیمؑ نے اپنے چچا آذر، کے لیے استغفار کیا، حالانکہ وہ مشرک تھا۔ اس لیے میں بھی اپنے چچا کے لیے ایسا ہی کروں گا۔ حتیٰ کہ ان کی نجات کی صورت میں اپنا مقصد حاصل کر لوں۔ اس پر خدائے تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی: پیغمبرؐ اور مومنین کے لیے مناسب نہیں کہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں۔۔۔۔۔ اس آیت میں مشرک سے مراد ابوطالب تھے۔ چونکہ یہ بات رسول اکرمؐ کو گراں گزری تھی، اس لیے خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو مخاطب کیا اور فرمایا: اور ابراہیمؑ کا اپنے چچا (آذر) کے لیے معافی

کی دعا مانگنا صرف اس وعدے کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اپنے چچا سے کیا تھا۔ ۱۷

اگرچہ یہ روایت امام علیؑ کے اس قول سے متناقض ہے جو ابن سعد اور ابن عساکر نے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

میں نے حضرت رسولؐ کو ابوطالب کی وفات کی خبر دی تو آپ روپڑے اور فرمایا: جاؤ انہیں غسل دو اور ان کے کفن و دفن کا انتظام کرو، خدا انہیں بخشے اور ان پر رحمت کرے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر رسول اکرمؐ نے کئی روز تک ان کے لیے استغفار فرمائی اور اسی وجہ سے آپ گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حتیٰ کہ جبرئیلؑ خدا کی طرف سے آنحضرتؐ کے پاس یہ آیت لائے: پیغمبرؐ اور مومنین کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں۔ ۱۸

ابن سعد، ابوالشیخ اور ابن عساکر نے سفیان بن عیینہ کے طریق سے عمر کا جو قول نقل کیا ہے شاید وہ زیادہ مناسب ہو کہ انہوں نے کہا: جب ابوطالب فوت ہو گئے تو رسول اکرمؐ نے ان کے بارے میں فرمایا: خدائے تعالیٰ ان کو بخشے اور ان پر رحمت کرے۔ ہاں تو جب تک خدا مجھے منع نہیں فرماتا، میں ان کے لیے استغفار کرتا رہوں گا۔ اس کے بعد عام مسلمان بھی اپنے مردگان کے لیے استغفار کرنے لگے

جو شرک کی حالت میں مرے تھے۔ تب خدائے تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:
پیغمبر اور مومنین کے لیے مناسب نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے استغفار کریں۔^۱
تاہم ساری امت اسلامیہ اس بات پر متفق ہے اور ہم بھی یہ بتا
چکے ہیں کہ سورہ توبہ جس میں — آیت استغفار آتی ہے وہ قرآن مجید کے
آخری سوروں میں سے ہے اور اس کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوا تھا۔
یہ وہی سورہ ہے جو رسول اکرمؐ نے ابو بکر کو دیکر مکہ بھیجا تاکہ وہ اسے
اہل مکہ تک پہنچا دے۔ لیکن پھر وحی الہی کے مطابق ابو بکر کو واپس بلا کر
یہ کام امیر المومنین علیؑ کے سپرد کیا اور فرمایا:

اس سورے کو بجز میرے یا اس شخص کے جو مجھ سے ہو — کوئی
بھی دوسرے لوگوں تک نہیں پہنچا سکتا۔^۲

ایک صحیح حدیث جو پہلے ہم نے شمار (۴) صفحہ ۲۱۱ پر نقل کی اور جس میں
کہا گیا ہے کہ آیت استغفار کا نزول سورہ ہجری میں رسول اکرمؐ

۱۔ درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۸۳

۲۔ درمنثور جلد ۳ صفحہ ۲۰۹ + کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۲۴۷ + تفسیر شوکانی
جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ + ریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۷ + ذخائر العقبیٰ صفحہ
۶۹ + تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۳۳۳ + مجمع الزوائد جلد ۷ صفحہ ۲۹
+ عینی: شرح صحیح بخاری جلد ۸ صفحہ ۶۳۷ + تفسیر المنار جلد ۱۰
صفحہ ۱۵۷ وغیرہ۔

کی غزوہ تبوک سے واپسی کے بعد ہوا، یزان تمام قرآن کے ہوتے ہوئے
اس آیت کے ابوطالب کی وفات کے وقت یا اس سے چند دن بعد
نازل ہونے کی کیا دلیل ہے؟ پھر بخاری کی حدیث اور ایسی ہی دوسری
جھوٹی روایتیں کیونکر صحیح ہو سکتی ہیں؟

آیت استغفار کے سیاق اور انداز بیان میں اس عمل کی نفی ہوئی
ہے اور اس میں نبی کا پہلو نہیں ہے کہ رسول اکرمؐ نے ابوطالب کے لیے
استغفار کی اور بعد میں انہیں اس سے منع کر دیا گیا۔ بلکہ اس آیت کا مفہوم
یہ نکلتا ہے کہ آنحضرتؐ اپنے چچا کے ایمان کا علم رکھتے ہوئے ان کے لیے
استغفار کرتے تھے۔ لیکن جو لوگ آنحضرتؐ کے قریب رہتے تھے ان کو
ابوطالب کے ایمان کا علم نہ تھا۔ کیونکہ ظاہری طور پر ابوطالب قریش کے
مذہب سے موافقت رکھتے تھے۔ پس یہ لوگ یا تو آنحضرتؐ کے اس عمل پر
اعتراض کرتے تھے یا آپ کے عمل کو اپنے مشرک عزیزوں کے لیے استغفار
کرنے کا جواز قرار دیتے تھے۔ جیسے وہ حضرت ابراہیمؑ کے عمل کو بھی بطور
دلیل پیش کرتے تھے۔ اس لیے خدائے تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی
— جس میں رسول اکرمؐ کا دامن اس غلط کام سے پاک قرار دیا اور
ابراہیمؑ کے عمل کو بھی مستثنیٰ کر دیا۔ علاوہ انہیں جیسا کہ ان لوگوں کو غلط فہمی
ہوئی، ہر وہ شخص کہ جس کے لیے رسول اکرمؐ نے استغفار کی ہے وہ مشرک
نہ تھا۔ پس آنحضرتؐ کا ابوطالب کے لیے استغفار کرنا بجائے خود اس
بات کی قوی دلیل ہے کہ ابوطالب مشرک نہیں تھے۔ چنانچہ امت کے
جن بزرگوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا، انہوں نے رسول اکرمؐ کے

اس عمل کو اپنے مشرک اجداد کے لیے استغفار کرنے کا جواز نہیں بتایا اور فقط حضرت ابراہیمؑ ہی کے عمل سے استناد کیا ہے۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں امام علیؑ کی اس شخص سے گفتگو کے بارے میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے جو اپنے مشرک والدین کے لیے استغفار کرتا تھا، اگر وہ شخص ابوطالب کو مشرک سمجھتا ہوتا تو اس کے لیے حضرت ابراہیمؑ کی اپنے چچا اذر کے حق میں مغفرت کی دعا سے استدلال کرنے کی نسبت رسول اکرمؐ کے عمل سے استدلال کرنا زیادہ مناسب تھا جو ابوطالب کے لیے استغفار کرتے تھے اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہ تھی۔ تاہم اس شخص نے فقط حضرت ابراہیمؑ کے عمل سے استدلال کرنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ یہ حدیث ہم نے صفحہ ۲۰۸ پر درج کی ہے۔ آپ اسے وہاں دیکھ کر مزید اطمینان کر سکتے ہیں۔

کباہم بخاری کی روایت قبول کر لیں اور ان روایات کو نظر انداز کر دیں:

۱— عباسؓ نے ابوطالب کے اقرار شہادتین کے بارے میں کہا اور رسول اکرمؐ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: اے چچا! شکر ہے خدا کا جس نے آپ کو ہدایت کی راہ دکھائی۔

۲— امیر المؤمنینؑ نے فرمایا ہے: ابوطالب دنیا سے نہیں گئے مگر اس وقت جب انہوں نے رسول اکرمؐ کو اپنے آپ سے خوش کر لیا تھا۔

۳— خود رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے: میں اپنے پروردگار کی جانب سے ابوطالب کے لیے ہر بھلائی کی امید رکھتا ہوں۔

ابوطالب نے اپنی وفات کے وقت قریش اور بنی عبدالمطلب کو وصیت کی کہ وہ محمدؐ کی اطاعت کریں اور ان کا حکم مانیں، کیونکہ یہی کام ہدایت اور نجات کا موجب ہے۔

انہوں نے یہ بھی کہا کہ رسول اکرمؐ قریش کے امین اور عرب کے صدیق ہیں۔ نیز ابوطالب نے اپنی نظم اور نثر میں بھی ان باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اگر ہم ان سب روایتوں سے چشم پوشی بھی کر لیں، تو بھی ہم اس بات کو قبول نہیں کر سکتے کہ ابوطالب نے اپنے آخری وقت میں عبدالمطلب کے مذہب پر کے الفاظ کہہ کر ایمان لانے سے انکار کر دیا ہو۔ کیونکہ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ عبدالمطلب — ان پر خدا کا سلام ہو — حق کے پیرو تھے اور اس شریعت الہی پر عمل کرتے تھے جو خدا نے اس زمانے میں بنی نوع انسان کے لیے پسند فرمائی تھی۔

وہ مبداء اور معاد کے معتقد تھے اور رسول اکرمؐ کی رسالت کی جان پہچان رکھتے تھے جس کا نور ان کے چہرے کے نقوش میں نمایاں تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ رسول اکرمؐ ان کی نسل میں سے ہوئے ہیں۔

عبدالمطلب کس مذہب پر تھے؟

۱— عبدالمطلب نے ابراہیم بن صباح سے کہا:

میں ان اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر (کعبہ) کا بھی ایک مالک (خدا) ہے، وہی اس کو تمہارے حملے سے

بچائے گا۔ لے

۲ — عبدالمطلب نے اپنے ننھے سے پوتے (محمدؐ) کو اپنے ہاتھوں پر بلند کر کے بارش کے لیے یوں دعا مانگی:

اے پروردگار! اس بچے کی خاطر سے مہینہ برسادے! پھر آسمان پر بادل چھا گئے اور زور کی بارش ہوئی۔ لے

۳ — عبدالمطلب نے کہا:

بلاشبہ میری نسل سے ایک پیغمبر (محمدؐ) ہوگا۔ میری خواہش تھی کہ اس زمانے میں زندہ ہوتا اور اس پر ایمان لاتا۔ پس میرے فرزندوں میں سے جو کوئی اس کا زمانہ دیکھے، وہ اس پر ایمان لائے۔ لے

۴ — عبدالمطلب نے کہا:

خدا کی قسم! اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہے جس میں نیکو کار کو اس کی نیکی کا بدلہ ملے گا اور بدکار اپنی بدکاری کی سزا پائے گا۔ لے

ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عبدالمطلب — توحیدِ نبوت

اور قیامت پر ایمان رکھتے تھے۔ نیز سیوطی نے بھی اپنی کتابوں میں عبدالمطلب کے انہی عقائد کا ذکر کیا ہے۔ پس ابو طالب نے جب یہ کہا تھا کہ "عبدالمطلب

لے زرقانی: شرح لاہب الدنیا جلد ۱ صفحہ ۱۰۶ شہرستانی: محل و محل فصل ۳

حاشیہ صفحہ ۲۲۵ لے سید بن طاووس: طرافت صفحہ ۸۵ + ابوالحسن تریب:

ضیاء العالمین لے الفخیر جلد ۳ صفحہ ۳۵۳

شہ سیوطی کی کتابوں کے نام یہ ہیں: مسالک الخفقار، درج المنیف، مقامتہ

السندیہ، تعظیم و المننہ، نشر العلیین۔

کے مذہب پر" تو ان کا مدعا یہ تھا کہ میں بھی اپنے والد عبدالمطلب کی طرح توحید، نبوت اور قیامت پر اعتقاد رکھتا ہوں۔ پس یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابو طالب نے یہ تمام اصول و مبادی تسلیم کر لیے تھے۔ نیز اب اس بات پر مسلسل نصوص کا اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے اپنی تمام عمر نبی رحمت محمد مصطفیٰؐ کی دعوت و تبلیغ کی تصدیق اور تائید کرنے میں گزاری ہے۔

آخری آیت پر ایک نظر

زیر بحث آیت یوں ہے:

(اے پیغمبرؐ) تم جس کو چاہو راہ ہدایت پر نہیں لاسکتے لیکن خدا جس کو چاہے راہ ہدایت پر لاسکتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے خوب واقف ہے۔ اب تک ہم نے اس سلسلے میں جو وجوہ بیان کی ہیں، شاید ان سے سردار مکہ ابو طالبؑ کا کفر ثابت کرنے کے لیے آیات قرآنی سے کیے جانے والے استدلال کا غلط ہونا قارئین پر واضح ہو گیا ہو۔ اب صرف تیسری اور آخری آیت ہی رہ گئی ہے۔ لہذا ہم اس کے مفہوم کا ایک جائزہ پیش کرتے ہیں:

یہ آیت قرآن مجید کی دو آیات کے درمیان اس طرح واقع ہے:

پہلی آیت:

ان (مومنوں) نے جب کسی سے کوئی بری بات سنی تو اس

سے الگ رہے اور صاف کہہ دیا کہ ہماری کرنی ہمارے لیے

اور تمہاری کرنی تمہارے لیے ہے۔ پس تمہیں سلام کہ ہم

۱۔ سورہ قصص: آیت ۵۶

جاہلوں کی صحبت نہیں چاہتے ہیں۔

زیر بحث درمیانے آیت:

(اے پیغمبر! تم جس کو چاہو راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے، لیکن خدا جس کو چاہے راہ ہدایت پر لا سکتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے خوب واقف ہے۔

تیسری آیت:

(اے رسول!) کفار تم سے کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ دین حق کی پیروی کریں تو ہم اپنے ملک سے اچک لیے جائیں، تو کیا ہم نے انہیں امن کی جگہ حرم مکہ میں نہیں رکھا، جہاں ہماری بارگاہ سے ہر قسم کے پھل روزی کے واسطے چلے آتے ہیں لیکن بہت سے لوگ یہ جانتے ہی نہیں ہیں۔

ان میں سے پہلی مومنوں کی تعریف میں ہے۔

تیسری آیت میں خدا نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جو اس خوف سے ایمان نہیں لاتے تھے کہ مکہ سے اغوانہ کر لیے جائیں یا قتل و غارت میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

پس ان آیات کے سیاق اور پیرایہ بیان سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ زیر بحث درمیانی آیت میں خدائے تعالیٰ کا قصد یہ ہے کہ جن ہدایت یافتہ لوگوں کا ذکر اس سے پہلی آیت میں آیا ہے ان کا حال بیان کرے اور یہ بتائے کہ ان کی ہدایت کا تعلق رسول اکرم کی دعوت سے نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے ہے اور اسی پر قائم ہے۔ بلاشبہ

یہ ہدایت جبر کی شکل میں نہیں بلکہ ایک قسم کی توفیق ہے جیسے کہ گمراہ لوگوں کے معاملے میں خدا کے ارادے کا مطلب ایک قسم کی ذلت اور خواری ہے جو خدا کی طرف سے گمراہ شخص پر آگئی ہے اور اس میں بھی کوئی جبر نہیں ہوا، لیکن اگر دعوت پہنچانے میں پیغمبر کا کردار ہدایت ملنے کے ایک عامل کا ہو تو اس کی یہ صورت ہوگی جو مندرجہ ذیل آیت میں بیان ہوئی ہے:

پس اگر تم سرتابی کرو گے تو بس رسول پر اتنا ہی واجب ہے جس کے وہ ذمہ دار بنائے گئے ہیں اور جس کے مزار تم بنائے گئے ہو وہ تم پر واجب ہے۔ اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے اور رسول پر تو صرف صاف صاف طور پر احکام کا پہنچانا ہی فرض ہے۔ لہٰذا اس بیان سے واضح ہوتا ہے:

(اے پیغمبر! تم جس کو چاہو راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے لیکن خدا جس کو چاہے راہ ہدایت پر لا سکتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں سے خوب واقف ہے۔ یہ آیت ابو طالب کے وقت آخر رسول اکرم کی طرف سے دعوت اسلام دینے اور ان کے اس سے انکار کرنے اور پیغمبر عبدالمطلب کے مذہب پر کھنے کی روایت سے دور کا تعلق بھی نہیں رکھتی۔ اس کی بجائے اس سے پہلے اور اس کے بعد کی آیتوں کے مضمون کے مطابق اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہدایت خدا ہی سے ملتی ہے اور پیغمبر اکرم صرف وسیلہ ہدایت ہیں۔ یعنی وہ کسی

شخص کو ہدایت کا پیغام دینے کے ذمہ دار ہیں اور اس کو ہدایت یافتہ بنانے کے ذمہ دار نہیں ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل آیات سے یہ بات پوری طرح سے روشن ہو رہی ہے:

پس مجھے تو یہی حکم ملا ہے کہ میں اس خدا کی پرستش کروں جس نے اس شہر (مکہ) کو عزت و حرمت دی اور ہر چیز اسی کی ہے۔ مجھے یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے جو بڑھوں اور قرآن پڑھا کروں۔ پھر جو شخص راہِ ہدایت پر آیا تو وہ خود اپنے نفع کے لیے ہدایت پر آیا اور اگر کوئی گمراہ ہوا تو تم کہہ دو کہ میں تو بس ایک ڈرانے والا ہوں۔ لہٰذا اسی ذیل میں یہ بھی ہے کہ شیطان گنہگاروں کے اعمال ان کو سجا سجا کر دکھاتا ہے:

اگرچہ شیطان انہیں جہنم کے عذاب کی طرف بلاتا رہا ہو۔ لہٰذا شیطان نے ان کے اعمال ان کو سجا سجا کر دکھائے اور اس کے بعد خدا کا راستہ ان پر بند کر دیا۔ لہٰذا شیطان نے ان پر قابو پا لیا ہے اور خدا کی یاد ان کے دلوں سے بھلا دی ہے۔ لہٰذا

۱۔ سورۃ نمل۔ آیت ۹۱-۹۲

۲۔ سورۃ لقمان۔ آیت ۲۱

۳۔ سورۃ نمل۔ آیت ۲۴، سورۃ عنکبوت۔ آیت ۳۸

۴۔ سورۃ مجادلہ۔ آیت ۱۹

۲۴۰

بے شک جو لوگ راہِ ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی اس سے پھر گئے۔ شیطان ان کے کام انہیں خوب صورت کر کے دکھاتا ہے اور انہیں لمبی چوڑی آرزوؤں سے فریب دیتا ہے۔ لہٰذا

علاوہ ازیں عقیلی، ابن عدی، ابن مردویہ، دیلمی، ابن عساکر اور ابن نجبہ نے عمر بن خطاب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: مجھے مبلغ اور داعی کی حیثیت سے مبعوث کیا گیا ہے۔ راہِ ہدایت پر لانا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی طرح اہلبیس بھی (برے) اعمال کو سجا کر دکھانے والے کی حیثیت رکھتا ہے، مگر اہلنا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ لہٰذا پس سورۃ قصص کی زیر بحث آیت ۵۶ بھی قرآن کی ان دیگر آیات کی طرح ہے جو ہدایت اور گمراہی کو خدائے تعالیٰ کے ارادے سے نسبت دیتی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ اے پیغمبر! ان کو راہِ ہدایت پر لانا تمہاری ذمہ داری نہیں، لیکن خدا جسے چاہے راہِ ہدایت پر لے آئے۔ لہٰذا

۲۔ (اے رسول!) اگر تم ان کی ہدایت کے خواہشمند ہو تو بھی خدا جسے گمراہی میں چھوڑ دے اسے ہدایت نہیں کرے گا۔ لہٰذا

۱۔ سورۃ محمد۔ آیت ۲۵

۲۔ مجمع الزوائد، بیہقی + جامع الصغیر، سیوطی

۳۔ سورۃ بقرہ۔ آیت ۲۷۲، سورۃ نمل۔ آیت ۳۷

۲۴۱

۳۔ (اے رسول!) کیا تم بسرے کو (قرآن) سنا سکتے ہو یا
اندھے کو اور اس شخص کو جو کھلی گمراہی میں پڑا ہو۔ راستہ
دکھا سکتے ہو؟ ۱

۴۔ (اے رسول!) تم (دل کے) اندھوں کو ان کی گمراہی سے
(نکال کر) سیدھے راستے پر نہیں لاسکتے۔ ۲

۵۔ (اے مسلمانو!) کیا تم اس (منافق) کو راہ راست پر لانا چاہتے
ہو کہ جسے خدا نے گمراہ کر دیا ہے؟ ۳

۶۔ (اے رسول!) کیا تم (دل کے) اندھوں کو راستہ دکھا سکتے
ہو جبکہ وہ نہیں دیکھتے؟ ۴

۷۔ جسے خدا ہدایت کرے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو
وہ گمراہ کرے تو پھر تم اس کا کوئی سرپرست رہنا ہرگز
نہ پاؤ گے۔ ۵

۸۔ بے شک خدا جسے چاہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے
اور جو شخص تو بہ کرے اس کو ہدایت فرماتا ہے۔ ۶

۱	سورۃ زخرف - آیت ۴۰	۲	سورۃ نمل - آیت ۸۱
۳	سورۃ نسا - آیت ۸۸		
۴	سورۃ یونس - آیت ۴۳		
۵	سورۃ کہف - آیت ۱۷		
۶	سورۃ رعد - آیت ۲۷		

۹۔ پس خدا جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور
جسے چاہتا ہے اسے ہدایت کرتا ہے اور وہ عزت والا
حکمت والا ہے۔ ۱

۱۰۔ لیکن خدا تو جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور جسے
چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ ۲

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو سب کی سب
انسانوں کی ہدایت اور گمراہی کو خدائے تعالیٰ سے اس طرح نسبت دیتی
ہیں کہ وہ ان کے اختیار کے منافی نہیں ہے۔

اسی بنا پر مندرجہ ذیل آیات میں بھی دو چیزیں (ہدایت اور گمراہی)
خدائے تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہی ہیں۔ جن میں ان کو انسانوں
سے نسبت دی گئی ہے:

۱۔ جو شخص راہ ہدایت پر آیا ہے وہ اپنے ہی لیے راہ ہدایت
پر آیا ہے اور جو شخص گمراہ ہو جائے وہ اپنے آپ کو ہی
نقصان پہنچاتا ہے۔ ۳

۲۔ تم کہہ دو کہ جب سچی بات تمہارے پروردگار کی طرف
سے نازل ہو چکی تو اب جو چاہے ایمان لائے اور جو
چاہے کفر اختیار کرے۔ ۴

۱	سورۃ ابراہیم - آیت ۴	۲	سورۃ نمل - آیت ۹۳
	سورۃ زمر - آیت ۴۱	۳	سورۃ کہف - آیت ۲۹

۲۲۳

۳— قرآن تو دنیا کے تمام لوگوں کے لیے بس ایک نصیحت ہے، مگر یہ تم میں سے اسی کے لیے (نصیحت) ہے جو سیدھے راستے پر چلے۔ ۱۵

۴— جو راہ ہدایت پر آیا تو وہ اپنے فائدے کے لیے آیا اور جو گمراہ ہوا اس نے اپنے آپ کو ہی بگاڑا۔ ۱۶
۵— جو شخص راہ ہدایت پر آیا تو وہ اپنے فائدے کے لیے آیا اور جو گمراہ ہوا (وہ جانے) پس اے پیغمبر! کہہ دو کہ میں تو بس ایک ڈرانے والا ہوں۔ ۱۷

۶— یہی (کافر) ہیں جنہوں نے ہدایت کے عوض گمراہی خریدی اور اس سودے میں انھوں نے کوئی نفع نہیں کیا۔ ۱۸

۷— ایک گروہ نے ہدایت پائی اور ایک گروہ پر گمراہی سوار ہو گئی۔ ۱۹

۸— (اے رسول!) کہہ دو کہ جس نے ہدایت پائی اور جو صریحاً گمراہی میں پڑا اس سے میرا پروردگار بخوبی واقف ہے۔ ۲۰

۱۵	سورۃ تکویر - آیت ۲۸	۱۵	سورۃ بنی اسرائیل - آیت ۱۵
۱۶	سورۃ نمل - آیت ۹۲	۱۶	سورۃ بقرہ - آیت ۱۶
۱۷	سورۃ اعراف - آیت ۳۰	۱۷	سورۃ اعراف - آیت ۳۰
۱۸	سورۃ قصص - آیت ۸۵	۱۸	سورۃ قصص - آیت ۸۵
۱۹	۲۲۲		

۹— اگر تم نیکی کرو گے تو وہ اپنے فائدے کے لیے اور اگر تم بدی کرو گے تو بھی اپنے ہی لیے کرو گے۔ ۱۹

۱۰— پس اگر وہ ایمان لائے ہیں تو پھر انہوں نے ہدایت پائی ہے اور اگر وہ منہ پھیر لیں تو (اے رسول!) تمہارا فرض صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔ ۲۰

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس موضوع سے تعلق رکھتی ہیں۔

اس دلیل کی بنا پر جس کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور اس دلیل کی بنا پر جو ایک موقع پر فضل خدا کے تعلق سے نسبت دینے اور دوسرے موقع پر عامل ہدایت (پیغمبر) مختار (عام انسان) سے نسبت دینے کی صحت کے بارے میں ہے، ان دونوں مطالب میں کوئی تناقض موجود نہیں ہے۔

سورۃ قصص کی زیر بحث آیت (۵۶)، اپنے سے پہلی آیات کے زمرے میں ہے اور سیاق مطالب کے لحاظ سے یہ مومنوں کے ذکر سے مربوط آیات کے بعد آئی ہے۔ لیکن پہلی آیات میں جس مفہوم کا ارادہ کیا گیا ہے، اسے ثابت کرنے اور یہ بتانے کے لیے کہ جن ہدایت یافتہ لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان کی ہدایت خدائے تعالیٰ سے منسوب ہے اور اس بنا پر ان کی سرشت اور فطرت الگ ہے۔ لہذا اس آیت کا

۱۹ سورۃ بنی اسرائیل - آیت ۱۹
۲۰ سورۃ آل عمران - آیت ۲۰
۲۲۵

ابوطالب سمیت کسی بھی عام انسان کے ساتھ کوئی خاص ارتباط نہیں ہے پس اس آیت کو اس سے پہلی آیت کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو اس میں سے ابوطالب کے ایمان کے بارے میں ایک واضح ثبوت ہاتھ آجائے گا لہذا مناسب یہ ہے کہ اس آیت کی تفسیر اس کے بارے میں ان غیر معقول اور بے کار اقوال کی جانب توجہ دیے بغیر کی جائے جو اس سے پیشتر نقل کیے گئے ہیں یا بعد میں نقل کیے جائیں گے۔

اس آیت کے بارے میں دو سری مورد بحث بات یہ ہے کہ اس سے پہلی اور بعد کی آیات کے مطالب کے ساتھ رابطے کے بغیر فقط اس آیت کے متعلق کی جانے والی سبھی روایات مرسل ہیں۔ مثلاً وہ روایت جو عبد بن جمید، مسلم اور ترمذی وغیرہ نے ابوہریرہ سے نقل کی ہے کہ اس نے کہا:

جب ابوطالب کی وفات کا وقت آپہنچا تو رسول اکرم نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا: "اے چچا! کیجیے لا الہ الا اللہ تاکہ میں قیامت کے دن اس کلمہ کے ذریعے خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کے فائدے کے لیے شہادت دے سکوں۔ ابوطالب نے کہا: اگر قریش مجھے ملامت نہ کریں اور یہ نہ کہیں کہ اس (ابوطالب) کو موت کے علاوہ کسی چیز نے اس کام پر آمادہ نہیں کیا تو میں یقیناً یہ کلمہ — لا الہ الا اللہ — کہہ کر تمہاری آنکھیں روشن کر دیتا ہوں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

اے پیغمبر! تم جسے چاہو راہ ہدایت پر نہیں لاسکتے..... لے

لے تفسیر درمنثور۔ جلد ۵ صفحہ ۱۳۳

۲۲۶

ابوہریرہ ایسی روایت کیسے کر سکتا ہے جبکہ ابوطالب کی وفات کے وقت وہ خود یمن میں قبیلہ دوس کے کافر بھکاریوں میں سے تھا جو سر سے پاؤں تک بد سختی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور لوگوں کے دامن تھام تھام کر آہ وزاری کے ساتھ بھیک مانگتا تھا۔ پھر اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ ابوہریرہ نے ہجرت کے ساتویں سال (جنگ خیبر کے زمانے میں) اسلام قبول کیا۔ پس ابوطالب کی وفات کے وقت وہ مکہ میں تھا کہاں؟ اور اس روایت کے ساتھ اس کا واسطہ ہی کیا ہے؟ اگر اس نے اپنی روایت میں سچ بھی کہا ہو تو پھر ضرور اس نے یہ روایت کسی شخص سے نقل کی ہے کہ جس کا نام اس نے نہیں بتایا۔ ابوہریرہ نے عجوبہ گوئی اور فریب کاری سے بہت کام لیا اور بہت سی ایسی باتیں روایت کی ہیں جن کے متعلق اس کا دعویٰ ہے کہ جب وہ بات کسی گئی وہ موجود تھا اور اس کا شاہد ہے۔ حالانکہ اس نے ایسی کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کیا۔ اگر کوئی شخص ابوہریرہ کی ایسی جھوٹی روایات سے مطلع ہونا چاہے تو اسے سید عبدالحسین شرف الدین عاتلی کی تالیف "ابوہریرہ" سے رجوع کرنا چاہیے۔ اسی طرح کی دیگر روایات میں سے ایک وہ ہے جسے ابن مردودہ اور دوسرے راویوں نے ابوسہل سری کے طریق سے، اس نے عبد القدوس کی سند سے، اس نے ابوصالح سے اور اس نے ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا:

سورۃ قصص کی آیت ۵۶: "اے پیغمبر! تم جسے چاہو راہ ہدایت پر نہیں لاسکتے... ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے رسول اکرم

۲۲۷

نے ابوطالب سے اصرار کیا کہ وہ اسلام قبول کر لیں۔ جب ابوطالب نے اس سے انکار کیا تو خدائے تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ ۱۷
اس حدیث کا راوی ابوسہل سری — جھوٹے حدیث سازوں میں سے ہے جو احادیث کی روایت میں چوری بھی کیا کرتا تھا۔ ۱۸ میراں کے دوسرے راوی — عبدالقدوس ابوسعید دمشقی — کا شمار بھی جھوٹے راویوں میں ہوتا ہے۔ ۱۹

اس روایت کا ظاہر بھی سابقہ روایت کی طرح راوی کے اس واقعہ کا عینی شاہد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ حالانکہ ابن عباس رسول اکرم کی ہجرت سے بیس سال قبل پیدا ہوئے۔ بنا بریں ابوطالب کی وفات کے وقت وہ شیرخوار بچے تھے، لہذا اس واقعہ کے شاہد نہیں ہو سکتے۔ ۲۰
بالفرض یہ روایت درست بھی ہو تو یہ معلوم نہیں کہ ابن عباس نے کہاں اور کس طرح اپنے یہ الفاظ کسی ایسے شخص سے منسوب کیے — جسے ہم نہیں جانتے۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بدطینت راویوں نے اس شخص کا نام اس کی حیثیت کمزور ہونے کی بنا پر حذف کر دیا ہو، جیسے کہ بہت سے مؤلفین نے ابوسہل سری اور عبدالقدوس وغیرہ کو ایسی جھوٹی روایتوں میں سے ان کے جھوٹ پر پردہ ڈالنے کی خاطر حذف کر دیا ہے :

۱۷ تفسیر درمنثور جلد ۵ صفحہ ۱۳۳ ۱۸ الخیر جلد ۵ صفحہ ۲۳۱

۱۹ الخیر جلد ۵ صفحہ ۲۳۸

۲۰ اصابع جلد ۲ صفحہ ۳۳۱

۲۲۸

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جبرالامت — ابن عباس نے اپنی زبان ایسی غلط باتوں سے ہرگز آلودہ نہیں کی ہے۔ اگر وہ ابوطالب کی وفات کی کیفیت کے بارے میں کسی سے کچھ نقل کرنا چاہتے بھی تو ان کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ وہی بات نقل کرتے جو ان کے والد نے کہی کہ میں نے سنا: ابوطالب اپنی وفات کے وقت شہادتین کا ذکر اپنی زبان پر لائے۔ ۱۷ بلکہ اس سے بھی زیادہ مناسب یہ تھا کہ ابن عباس اس بارے میں اپنے ظاہر چچا زاد بھائی رسول اکرم کا ارشاد ۱۸ یا اپنے پاک چچا زاد بھائی امام علی کا قول روایت کرتے۔ ۱۹

ابن عباس نے یہ روایت نہیں کی اور وہ کیونکر یہ بات کہہ سکتے تھے؟ کیا ابن عباس ہی ابوطالب کے اس قول کے راوی نہیں ہیں کہ انھوں نے رسول اکرم کو مخاطب کر کے کہا: اے میرے سردار! اٹھیے اور جو کچھ کہنا آپ پسند کرتے ہیں وہ کہیے۔ نیز اپنے پروردگار کا پیغام دوسروں تک پہنچائیے — کیونکہ آپ سچے ہیں اور سچے قرار دیے گئے ہیں۔ ۲۰
دیگر روایات میں سے ایک وہ ہے جو مذکورہ بالا ابوسہل سری (دروغ گو) نے عبدالقدوس (کذاب) کے طریق سے اس نے نافع سے اور اس نے ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

۱۷ دیکھیے اس کتاب کا صفحہ ۱۱۱ سطر ۲

۱۸ دیکھیے اس کتاب کا صفحہ ۱۱۲ سطر ۵ ۱۹ دیکھیے اس کتاب کا صفحہ ۱۱۱

۲۰ سطر ۹ دیکھیے اس کتاب کا صفحہ ۷۷ سطر ۹

۲۲۹

اے پیغمبر! تم جسے چاہو راہ ہدایت پر نہیں لا سکتے

سورہ قفص کی یہ آیت (۵۶) ابوطالب کے متعلق ان کی وفات کے وقت نازل ہوئی۔ رسول اکرمؐ اس وقت ابوطالب کے سر ہانے موجود تھے اور کہہ رہے تھے: اے چچا! کہو لا الہ الا اللہ تاکہ میں قیامت کے دن اس کے بدلے میں تمہاری شفاعت کر سکوں۔

ابوطالب نے کہا: میری وفات کے بعد قریش کی عورتیں مجھے ملات کرئیں گی کہ میں نے موت کے ڈر سے ایسا کیا اور پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ شاید ابن عمر نے اپنی روایت میں خود اس مجلس میں موجود ہونے کا دعویٰ نہ کیا ہو اور انہیں یہ دعویٰ کرنا بھی نہیں چاہیے۔ کیونکہ ان کی پیدائش رسول اکرمؐ کی بعثت سے تقریباً تین سال بعد ہوئی اور اس وقت وہ سات سال کے تھے۔ اس بنا پر وہ موقع پر اپنی موجودگی کا دعویٰ نہیں کر سکتے اور فطری طور پر اس عمر کا شخص ایسی مجلس میں حاضر نہیں ہو سکتا بلکہ لہذا یہ ضروری ہے کہ ابن عمر نے اس بارے میں کسی ایسے شخص سے سنا ہو جو اس مجلس میں موجود تھا۔ پھر ایسا شخص فوت ہونے والے کے فرزند یعنی امیر المؤمنین علیہ السلام کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا اور جو کچھ ان سے نقل کیا گیا ہے وہ وہی ہے جو پاکیزہ کلمات کے باب میں بیان ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ ایسا شخص ابوطالب کا کوئی اور بیٹا یعنی طالب جعفر یا عقیل

۱۔ تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۱۳۲

۲۔ اصابہ جلد ۲ صفحہ ۲۴

۲۵۰

بھی ہو سکتا ہے، جبکہ اس بارے میں ان میں سے کسی کا کوئی قول نقل نہیں کیا گیا۔ اسی طرح اس موقع پر حاضر وہ شخص ابوطالب کے بھائی یعنی عباس بھی ہو سکتے ہیں جن کا قول ہم پیشتر نقل کر چکے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر ابوطالب کے بھتیجے یعنی رسول اکرمؐ ہیں اور اس بارے میں ان کے ارشادات ہم پہلے پڑھ چکے ہیں۔ پس ان سب عینی شاہدوں کے علاوہ ابن عمر نے یہ بات کس سے سنی اور اس کا نام کیوں حذف کر دیا گیا ہے؟ وہ اپنی درواریات میں سے ایک میں ابو جہل کو ابوطالب کے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں، جبکہ کسی دوسرے نے ایسا نہیں کہا۔ کیا راولیوں کے درمیان کوئی ایسا شخص موجود ہے جس نے یہ جھوٹ موٹ کی روایت ان کے سر تھوپ دی؟ بس حسن ظن رکھیں اور اس سے زیادہ کچھ نہ پوچھیں۔

اس بیان پر یہ اضافہ کر دیجیے جو زیر بحث آیت کی شان نزول کے متعلق مجاہد اور قتادہ سے مروی ہے۔ لے اگر ان دونوں کی روایات مستند ہیں تو پھر یہ روایات جو ہم نے نقل کی ہیں — ان کا کیا بنے گا؟ یا یہ کہ انھوں نے بھی یہ بات نامعلوم اشخاص سے سنی ہے؟ الحاصل کہ ایسی مرسل احادیث کو کسی طرح سے بھی ابوطالب کی تکفیر جیسے اہم معاملے میں دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔ جبکہ خود رسول اکرمؐ، امام علیؑ اور دوسری بزرگوار ہستیوں کی زبانی ان کا ایمان ثابت ہو چکا ہو اور انہوں نے رسول اکرمؐ کی خاطر بے پناہ قربانیاں دی ہوں اور قاطع دلائل کے

۱۔ تاریخ ابن کثیر جلد ۲ صفحہ ۱۲۲

۲۵۱

ساتھ ان کا دفاع کیا ہو۔

سورۃ قصص کی مذکورہ آیت (۵۶) کو ابوطالب اور عباسؓ کے درمیان تقسیم کرنے یعنی اس کے پہلے حصے کو ابوطالب کے متعلق اور دوسرے حصے کو عباسؓ کے بارے میں قرار دینا تفسیر بالرأے ہے جو صرف قتادہ کی ایک روایت پر مبنی ہے جسے بعض لوگوں نے حدیث مرسل کے طور پر بیان کیا اور اس کی کچھ حیثیت نہیں ہے کیونکہ اس پر سبھی کا اتفاق ہے کہ عباسؓ — ابوطالبؓ کی وفات پر اس آیت کے نزول سے کئی سال بعد اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

اس تمام گفتگو کے بعد آپ زجاج کے اس قول کی قیمت سمجھ جائیں گے جو کہتا ہے: مسلمان اس آیت (زیر بحث) کے بارے میں اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ یہ ابوطالبؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ نیز اسی طرح قرطبی بھی اسی بات کا قائل ہے۔ جیسا کہ وہ کہتا ہے:

ہم یہ کہیں تو بہتر ہو گا کہ ممتاز مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت ابوطالبؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے! لہ
دیکھو کہ وہ خدا پر کس کس طرح کی جھوٹی تہمت باندھتے ہیں اور یہی فعل کھلا ہوا گناہ ہے۔ ۳

نقل حدیث میں غلط بیانی

حدیث صحیح

ابوطالبؓ کے مخالفین کے ترکش میں اعتراضات کے جتنے بھی تیر تھے، یہاں تک پہنچتے پہنچتے وہ سب ختم ہو چکے ہیں۔ ہم نے شیخ بطحاؒ پر الزام و اعتراض کے ان سب تیروں کا زور دار جواب دے کر انہیں خاک اور جھول کی طرح اڑا دیا ہے۔ اب صرف حدیث صحیح ہی رہ گئی ہے جس کے بارے میں ابوطالبؓ کے دشمنوں نے بہت واویلا مچا رکھا ہے اور ہم خدائے تعالیٰ کی مدد سے اس کا بھی ٹھیک ٹھیک جواب دیں گے۔

بخاری اور مسلم نے سفیان ثوری کے طریق سے اس نے عبد الملک بن عمیر سے اور اس نے عبد اللہ بن عمار سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: میں نے رسول اکرمؐ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے چچا ابوطالبؓ جو آپ کی حمایت کرتے اور آپ کے دشمنوں پر غصہ کرتے تھے — آپ نے ان کا حق کیسے ادا کیا؟ آپ نے جواب میں فرمایا:

وہ (ابوطالب) جہنم کے ایک گڑھے میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ اس کے سب سے گہرے کنویں میں ہوتے۔

ایک اور روایت میں اس نے کہا:

میں نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا: یا رسول اللہ! ابوطالب نے آپ کی حفاظت اور مدد کی تھی — کیا انہیں ان گوششوں کا کوئی فائدہ پہنچا؟ آنحضرت نے فرمایا: ہاں! میں نے ابوطالب کو جہنم کے شعلوں میں پایا تو انہیں وہاں سے نکال کر ایک گڑھے میں ڈال دیا۔

لیٹ کہتا ہے کہ یزید بن ہاد نے عبداللہ ابن خطاب سے اور اس نے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ اس نے رسول اکرم ﷺ سے سنا:

امید ہے کہ قیامت کے دن میری شفاعت ابوطالب کے لیے سود مند ثابت ہوگی۔ تب انہیں تیز شعلوں سے نکال کر جہنم کے ایک گڑھے میں ڈال دیا جائے گا۔ جس کی آگ ان کے پاؤں کے ٹخنوں تک ہوگی۔ پھر بھی اس کی نیش سے ان کا مغز سرائل پڑے گا۔

سخاری نے یزید بن ہاد سے عبدالعزیز بن محمد داراوردی کے طریق سے یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے لیکن صرف اتنا فرق ہے کہ اس گڑھے کی آگ کی نیش سے ابوطالب کا سارمغز نہیں اسکا نیچے کا حصہ جوش کھاتا ہے۔

۱۔ صحیح بخاری جلد ۳ صفحہ ۳۳، ۳۴۔ ابواب المنافق قصہ ابوطالب۔ جلد ۹ صفحہ ۹۲
کتاب الادب باب کینتہ المشرك + صحیح مسلم۔ کتاب الایمان + طبقات ابن سعد
جلد ۱ صفحہ ۱۰۰ + مصری + مسند احمد حنبلی جلد ۱ صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷ + عیون الاثر
جلد ۱ صفحہ ۱۳۲ + تاریخ ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۵

علامہ ایبنی کتبے ہیں:

ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ سفیان ثوری کے بارے میں بحث کریں۔ کیونکہ پہلی آیت کے ذیل میں ہم اس کے متعلق لکھ آئے ہیں کہ وہ بے اعتبار راویوں کی روایات اور مقتزی افراد کے اقوال نقل کرتا تھا۔ ۱۔

اسی طرح ہم عبدالملک بن عمیر نخعی کوئی کے بارے میں بھی کوئی معارفہ نہیں کرتیں گے جو بڑی عمر اور کمزور حافظے کا آدمی تھا۔ اس کے بارے میں محدثین کی آراء یہ ہیں:

- ابوجاتم نے کہا: وہ علم حدیث کا ماہر نہیں ہے۔ اسکا حافظہ بھی خراب تھا۔
- احمد حنبلی نے کہا: وہ بہت بوڑھا اور غلطیاں کرنے والا تھا۔
- ابن معین نے کہا: وہ روایات کو خلط ملط کر دیتا ہے۔
- ابن خراش نے کہا: شعبہ اس سے خوش نہ تھا۔
- کویج نے کہا: احمد حنبلی — عبدالملک کو قطعی طور پر بے اعتبار سمجھتا تھا۔ ۲۔

ہم اس روایت کے تیسرے راوی عبدالعزیز بن محمد داراوردی کے بارے میں کوئی بات نہیں کہتے اور محدثین کی آراء پیش کیے دیتے ہیں:

- احمد حنبلی نے کہا: اگر وہ اپنی حفظ کی ہوئی حدیث بیان کرے تو کوئی خطرے کی بات نہیں، اگر وہ کسی کتاب سے کوئی روایت نقل

۱۔ میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۳۹۶

۲۔ میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۲۸

کرے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے لیکن جب وہ خود کسی سے روایت کرتا ہے تو غلط باتیں کہتا ہے۔

○ ابو حاتم نے کہا: اس (عبد العزیز داراوردی) کی روایت کو حجت اور دلیل قرار نہیں دیا جاسکتا۔

○ ابو زرہ کہتا ہے: اس کا حافظہ خراب تھا۔ لہ

یہاں تک راویوں کی بات کہ ہم نے اپنی طرف سے ان پر کوئی تفتید نہیں کی ہے۔ اسی طرح ہم ان روایات کے مضامین کے تناقض کی طرف بھی اشارہ نہیں کرتے کہ ایک جگہ لفظ ”امید“ کہا گیا اور اس سے یہ توقع پیدا ہوتی ہے کہ رسول اکرم کی شفاعت سے ابوطالب کا عذاب قیامت تک کے لیے مل گیا ہے۔ اس کے بعد یہ ”امید“ بھی ہو سکتی ہے کہ اسی شفاعت کی بنا پر ان کا عذاب کم ہو کر ”ضعفاح“ یعنی جہنم کے گڑھے کے درجے پر آجائے گا۔ جبکہ ایک اور جگہ پر کہا گیا ہے کہ رسول اکرم نے ابوطالب کو آگ کے شعلوں میں پایا اور آپ اپنی شفاعت کے ذریعے انہیں جہنم کے ایک گڑھے میں لے آئے۔

ہم مناسب نہیں سمجھتے کہ راویوں کی بے اعتباری کے جھمیلوں کو پیش کریں یا روایتوں کے ان تناقضات کو اپنا موضوع بنائیں۔ اس کی بجائے ہم یہاں ایک ہی بات کہتے ہیں اور وہ یہ کہ ابوطالب کی وفات کے وقت رسول اکرم نے ان کے لیے اپنی شفاعت کو کلمہ شہادت

لہ میزان الاعتدال جلد ۲- صفحہ ۱۲۸

۲۵۶

(لا الہ الا اللہ) پڑھنے سے مشروط کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”اے چچا! لا الہ الا اللہ کیسے کیونکہ یہ وہ کلمہ ہے جس کے ذریعے میں آپ کی قیامت کے دن شفاعت کروں گا۔“ لہ

یہ وہی صورت ہے جیسا کہ آپ نے شفاعت کو کلی طور پر کلمہ شہادت کے پڑھنے سے وابستہ کر دیا تھا۔ اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں اور ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱- عبد اللہ بن عمر کی روایت

عبد اللہ بن عمر سے مرفوعاً روایت ہوتی ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا: (خدا کی جانب سے) مجھے کہا گیا کہ سوال کرو اور دعا مانگو۔ کیونکہ ہر پیغمبر نے اسی طرح سوال کیا اور دعا مانگی ہے۔ تاہم میں نے اپنی اس دعا کو قیامت کے دن تک تاخیر میں ڈال دیا۔ وہ دعا یہ ہے کہ تم میں سے جو کوئی خدا سے تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت دے میں اس کی شفاعت کروں گا۔

یہ حدیث احمد حنبل نے بھی صحیح اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔

لہ حاکم، مستدرک جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ + تاریخ ابوالفداء جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ + مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ ۷۱ + کشف الغمہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ + کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۱۲۸ + شرح مواہب جلد ۱ صفحہ ۲۹۱

۲۔ ابو ذر غفاری کی روایت

ابو ذر غفاری سے مرفوعاً روایت ہوئی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: مجھے شفاعت کا حق اور اس کی اہلیت عطا ہوئی ہے۔ یہ شفاعت میری امت کے ہر شخص کے لیے ہوگی جو خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔
بزار نے بھی یہ حدیث بہترین اسناد کے ساتھ روایت کی جس کے سلسلے میں کہیں انقطاع موجود نہیں ہے۔

۳۔ عوف بن مالک الشجعی کی روایت

عوف بن مالک الشجعی سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: میری شفاعت ہر مسلمان کے لیے ہے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ طبری نے یہ حدیث مختلف سلسلوں کے ساتھ نقل کی اور ان میں سے ایک معتبر ہے۔ نیز ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں یہ روایت کی ہے: شفاعت اس شخص کے لیے ہے جو اس حالت میں مرے کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرایا ہو۔

۴۔ انس کی روایت

انس نے بیان کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جبرئیل کو حکم دیا کہ تم محمد رسول اللہؐ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو: اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے دعا کیجیے تاکہ آپ کو عطا کیا جائے اور شفاعت کیجیے تاکہ آپ کی شفاعت قبول کی جائے۔ یہاں تک کہ رسول اکرمؐ سے کہا گیا:

تمہاری امت میں سے جس نے ایک دن بھی خلوص دل سے لا الہ الا اللہ کہا اور پھر مر گیا۔ میں اس کو بہشت میں داخل کر دوں گا۔
منذری کہتا ہے: احمد حنبل نے یہ روایت نقل کی ہے اور اپنی کتاب میں اس کے راویوں پر اعتماد اور اعتبار کا اظہار کیا ہے۔

۵۔ ابو ہریرہ کی روایت

ابو ہریرہ سے مرفوعاً نقل کیا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: میری شفاعت اس شخص کے لیے ہے جو خالص نیت کیساتھ لا الہ الا اللہ محمداً رسول اللہؐ کی شہادت دے۔ جبکہ اس کا دل اس کی زبان کی اور اس کی زبان اس کے دل کی تصدیق کرے۔
اس روایت کو احمد حنبل اور ابن حبان نے بھی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ لہ

دو روایتیں

گذشتہ صفحات میں ابو ہریرہ اور ابن عباس سے دو روایتیں نقل کی گئی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے خدائے تعالیٰ سے اپنی ماں کے لیے دعائے مغفرت کرنے اور قیامت کے دن ان کی شفاعت کرنے

لہ یہ پانچوں روایات منذری کی کتاب — ترغیب و ترہیب جلد ۴ صفحہ ۱۵۰ تا ۱۵۸ سے ماخوذ ہیں۔

کی اجازت مانگی — لیکن پروردگار نے یہ اجازت عطا نہیں فرمائی۔ لہ
سہیلی لکھتا ہے :

صحیح میں منقول ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: میں نے خدائے تعالیٰ
سے اپنی ماں کے مزار کی زیارت کرنے کی اجازت مانگی اور اس نے مجھے
یہ اجازت دے دی۔ اس کے علاوہ میں نے اس امر کی اجازت بھی مانگی
کہ ان کے لیے مغفرت طلب کروں، لیکن خدائے مجھے اس کی اجازت عطا
نہیں فرمائی۔

مسند نزار میں بریدہ کی سند سے نقل کیا گیا ہے کہ جب رسول اکرمؐ نے
اپنی والدہ کے لیے مغفرت طلب کرنا چاہی تو جبرئیل نے انکار کے طور پر آپ
کے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا: ”آپ کسی ایسے انسان کے لیے استغفار نہ کریں
جو مشرک رہا ہے، پس آنحضرتؐ نمکینی کی حالت میں واپس آگئے۔ لہ
علامہ امینی کہتے ہیں:

پس اگر توحید کی شہادت نہ دینے کی صورت میں بنیادی طور پر
شفاعت کا لعدم ہو جاتی ہے یعنی کافر کے نااہل ہونے کی وجہ سے اصولی
لحاظ سے اس کے لیے شفاعت محال ہے تو پھر عذاب میں کمی کے لیے

لہ دیکھیے اس کتاب کا صفحہ ۲۱۱ روایت ۳-۴

لہ روض الانف جلد ۱ صفحہ ۱۱۳۔ تاہم یاد رہے کہ ہم کسی ایسی روایت کو
چنداں قابل توجہ نہیں سمجھتے، اس کا ذکر ہم نے اس لیے کیا ہے کہ فریق ثانی
اسے سینے سے لگائے ہوئے ہے۔

بھی شفاعت کا لعدم ہو جائے گی۔ جیسا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں
اس کی نفی کی گئی ہے:

۱۔ جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ جہاں نہ ان پر موت
آئے گی کہ وہ مرجائیں اور نہ ان کے عذاب میں کوئی کمی کی جائے گی۔
یوں ہم ہر ناشکرے کافر کو سزا دیتے ہیں۔ لہ

۲۔ جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھ لیں گے تو پھر نہ ان کے عذاب میں کوئی
تخفیف ہوگی اور نہ ہی وہ اس سے رہائی پائیں گے۔ لہ

۳۔ کافر ہمیشہ لعنت میں گرفتار رہیں گے۔ نہ تو ان کے عذاب میں تخفیف
کی جائے گی اور نہ ان کو اس سے مہلت دی جائے گی۔ لہ

۴۔ جو لوگ دوزخ کی آگ میں ہوں گے وہ جہنم کے نگہبانوں سے کہیں
گے کہ اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ ہمارے عذاب کی مدت میں ایک
ہی دن کی تخفیف کر دے۔ وہ کہیں گے کیا تمہارے پیغمبر واضح دلائل
کے ساتھ تمہارے پاس نہیں آئے تھے؟ دوزخی جواب دیں گے
ہاں آئے تھے۔ تب وہ نگہبان کہیں گے: پس تم خود ہی دعا کرو
حالانکہ کافروں کی دعا تو بس بے کار ہی ہوتی ہے۔ لہ

لہ سورۃ فاطر۔ آیت ۳۶

لہ سورۃ نحل۔ آیت ۸۵

لہ سورۃ بقرہ۔ آیت ۱۶۲ + سورۃ آل عمران۔ آیت ۸۸

لہ سورۃ مومن۔ آیت ۴۹-۵۰

۵ — یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدی۔ پس نہ ہی ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔ لے

۶ — جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے انہیں فریفتہ کر رکھا ہے، ان کو چھوڑو اور بتادو کہ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے کرتوتوں کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا ہو گیا تو خدا کے علاوہ اس کا کوئی سرپرست اور سفارشی نہ ہوگا۔ پھر اگر وہ (اپنی سزا کے عوض) سارا جہان بھی دے تو وہ قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ ہوئے ہیں۔ انہیں پینے کے لیے کھولتا ہوا بدبودار پانی ملے گا اور ان کے کفر کی سزا کے طور پر دردناک عذاب ہوگا۔ لے

۷ — ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروہے مگر داہنے ہاتھ (میں نامہ اعمال لیئے) ولے (بہشت کے) باغوں میں سے گنہگاروں کو پوچھ رہے ہوں گے آخر تمہیں دوزخ میں کونسی چیز گھسیٹ لائی؟.... انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش کچھ کام نہ آئے گی۔ لے

۸ — انہیں قیامت کے دن سے ڈراؤ جو عنقریب آنے والا ہے۔ جب

لوگوں کے کیچھے (خوف کے مارے) گلے میں آجائیں گے۔ اس دن ظالموں کا کوئی حمایت کرنے والا نہ ہوگا اور نہ کوئی سفارشی کہ جس کی سفارش قبول ہو جائے۔ لے

۹ — ہم مجرموں کے گروہ کو جہنم کی طرف ہانک دیں گے۔ وہ سفارش پر بھی قادر نہ ہوں گے۔ مگر جس شخص نے خدا کی بارگاہ سے (سفارش کا) وعدہ لے لیا ہو۔ لے

جن لوگوں کی شفاعت ہوگی اس آیت میں انکو متثنیٰ کیا گیا ہے۔ وعدہ سے مراد کلمہ لا الہ الا اللہ کی شہادت اور اس کے تحت عمل کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مومنین کے علاوہ کسی کی شفاعت نہیں ہوگی۔ لے

”حدیث ضحناح“ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ (نعوذ باللہ) ابوطالب شرک کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔ ہم نے اس حدیث پر جو تفصیلی بحث کی ہے اس کے پیش نظر ان کے عذاب میں تخفیف ہونے اور ان کو آگ کے خوفناک شعلوں سے نکال کر — جہنم کے ایک چھوٹے گڑھے (ضحناح) میں پہنچانے کے لیے کوئی شفاعت قابل قبول نہیں ہے۔

لے سورۃ مومن - آیت ۱۸

لے سورۃ مریم - آیت ۸۶-۸۷

لے تفسیر قرطبی جلد ۱۱ صفحہ ۱۵۳ + تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۲۸ +

تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۸ + تفسیر حازن جلد ۳ صفحہ ۲۲۳

۲۶۳

لے سورۃ بقرہ - آیت ۸۶

لے سورۃ الفام - آیت ۷۰

لے سورۃ مدثر - آیت ۳۸ تا ۴۲ - ۴۸

۲۶۲

آیت اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی نجفی کی کاوش کا نتیجہ ہے۔ شیخ موصوف
چودھویں صدی میں حدیث قدر کے موضوع پر لکھنے والے عظیم شاعروں
میں سے ہیں:

مصطفیٰ کے چچا کے دل میں ہدایت کا نور

پوشیدہ ہوتے ہوئے بھی خوب ظاہر ہے

ان کے پوشیدہ ایمان نے ان کا نام اتنا بلند کیا

کہ پاک لوگوں کے ہاتھوں کے علاوہ کوئی اسے چھو نہیں سکتا

وہ۔۔ البوطالب۔۔ خانم النبیین کے کفیل ہیں

انہوں نے پوری قوت سے پیغمبر کی حمایت کی ہے

وہ اپنے زمانے میں پیغمبر کے واحد مددگار تھے

اور پیغمبر کی دعوت کے آغاز میں ان کا مضبوط سہارا

وہ پیغمبر کے قبیلہ (بنی ہاشم) کے سربراہ اور ان کی قوم قریش کے

رہنما تھے

وہی ہیں جو مشکل وقت میں نبیؐ کی مستحکم پناہ گاہ تھے

البوطالب، عالی قدر اور بلند مرتبہ پیغمبر کی نصرت کے لیے اٹھ

کھڑے ہوئے

حتیٰ کہ اسلام کی بنیادیں محکم اور ستون قائم ہو گئے

انہوں نے پیغمبر کے دفاع میں اپنی پوری کوشش اور ہمت

صرف کر دی

یہاں تک کہ ہدایت دینے والے پیغمبر کا دین روشن ہو گیا

کیونکہ یہ حدیث ان تمام آیات اور روایات سے اختلاف کرتی ہے جن کا
ہم نے ذکر کیا ہے۔ پس جو حدیث خدا کی کتاب اور رسول اکرمؐ کی محکم
سنت کے خلاف ہو اسے دیوار پر دے مارنا چاہیے جیسا کہ بخاری نے
رسول اکرمؐ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: میرے بعد حدیثیں بہت
ہو جائیں گی، اس لیے جب تمہارے سامنے کوئی حدیث روایت کی جائے
تو اسے خدائے تعالیٰ کی کتاب سے ملا کر دیکھ لیا کرو۔ پھر اگر وہ خدا کی
کتاب سے موافقت کرے تو اسے قبول کر لو اور اگر وہ اس کے خلاف ہو
اسے رد کرو۔۔۔ لہ

پس یہ بات آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے کہ ”حدیث ضعیفہ“
کو بخاری نے نقل کیا ہے۔ کیونکہ اس کی کتاب جس کا نام ”صحیح“ رکھا گیا ہے
وہ درحقیقت ناکارہ، ناپسندیدہ اور غلط مطالب سے بھری ہوئی ہے۔
تاہم اس پر ہم کسی فرصت کے وقت گفتگو کریں گے۔ فی الحال ہم اپنی
اس بحث کو جو ہمارے سردار البوطالب کے ایمان کے بارے میں ہو رہی
تھی، ان کی شان میں کہے گئے دو قصیدوں کے ساتھ ختم کرتے ہوئے ان
کے لیے خدائے تعالیٰ سے رحمت طلب کرتے ہیں۔

پہلا قصیدہ

یہ قصیدہ — فقہ، فلسفہ اور اخلاق کے استاد — عالم بزرگوار

لے صحیح بخاری

ابوطالب نے کفار قریش کی ایذا رسانی کے مقابلے میں پیغمبرؐ کی حمایت کی

یہ ان کی قوت اور رعب تھا جس نے جاہلوں کو نیچا دکھایا
فخر کرنے کے لیے ابوطالبؑ کا یہی شرف کافی ہے
کہ انہوں نے خدا کے نبی و رسولؐ کی کفالت کی ہے
پیغمبرؐ کی تعریف میں ابوطالبؑ کی فصیح زبان کے الفاظ
ان کی تلوار سے زیادہ کاٹ کرنے والے ہیں جو پیغمبرؐ کے دشمنوں

پر چسکی

ام القری (مکہ) نے ابوطالبؑ کے نور سے روشنی پائی

وہ نور جو کوہ طور کے نور کی مانند تھا
اور کیوں نہ ہو؟ جبکہ وہ نورانی (ائمہ ۳) کے باپ ہیں
ان سے کئی چاند نکلے اور کئی سورج ابھرے ہیں
ابوطالبؑ شجرہ ابراہیمؑ کی سب سے پاک شاخ ہیں
اس لیے وہ خاص شرافت اور بجاہت کے مالک ہیں
وہ وصیؑ پیغمبرؐ، علیؑ کے اور جعفر طیارؑ کے باپ ہوئے
اور مجھے اپنی جان کی قسم ہے کہ یہ فخر اور شرف کی انتہا ہے
ابوطالبؑ کے نور سے شہر مکہ روشن ہو گیا
اور نہ صرف مکہ بلکہ زمین و آسمان بھی روشن ہو گئے
یہ ان کی ریاست اور شجاعت ہی کا سایہ تھا
کہ جس کی بدولت پیغمبرؐ کا امر رسالت کامل ہو گیا

یہ ان کی حمایت کا ہی نتیجہ تھا کہ اسلام آگے بڑھا
اور یہ ایک ایسی بڑائی ہے جو کسی دوسرے نے حاصل نہیں کی
پیغمبرؐ کا پرچم ابوطالبؑ کی عالی ہمتی سے بلند ہوا
اور ان کے اعلیٰ رتبے کے اظہار کے لیے یہی کافی ہے
یہ ابوطالبؑ ہیں جو تعریف کے مستحق قرار پاتے ہیں
مگر یہ تعریفیں ان کی شان کے بیان سے قاصر ہیں
ابوطالبؑ کی بزرگی اور عظمت ہر تعریف سے بلند تر ہے
لیکن یہ تعریف ہی ان کی وہ یاد ہے جو دلوں کو زندہ کرتی ہے

دوسرا قصیدہ

یہ قصیدہ علامہ حجت شیخ عبدالحسین صادق عاملی قدس سرہ نے
لکھا ہے، ہم اس کے کچھ اشعار یہاں نقل کرتے ہیں:
اگر ابوطالبؑ نہ ہوتے تو مسلمانوں کی قوت مستحکم نہ ہوتی
اور توحید کا چشمہ اپنے مرکز پر جاری نہ ہوتا
انہوں نے اپنی پوری قوت سے پیغمبرؐ کی حمایت کی اور دفاع
بھی کیا

اور سب شہری دیہاتی لوگوں میں افضل پیغمبرؐ کا دین استوار
ہو گیا

ابوطالبؑ کے بعد شہر مکہ اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ
رسول خدا کے لیے تنگ و تاریک ہو گیا تھا

وہ سال جس میں پیغمبر کے چچا ابوطالب اور ان کی بیوی خدیجہ کا انتقال ہوا

انہوں نے اس سال کو غم میں گزارا اور دونوں کے لیے روتے رہے کتنا عظیم ہے اس شخص کا ایمان جس کے لیے مصطفیٰ سال بھر روئے ہوں وہ سال جس کے دن ان کے لیے رات سے بھی زیادہ تاریک تھے تمام نورانی ہستیاں ابوطالب کی نسل میں ہو کر چمکتی رہیں جن میں سے پہلے علی مرتضیٰؑ ہیں اور آخری ذخیرہ خدا مہدیؑ ہیں یہ ہیں سردار مکہ ابوطالب کی زندگی کے مختلف پہلو اور ان کے خالص ایمان کی نشانیوں کے تذکرے!

ہم نے ان کو فقط خدا کی رضا کے لیے تحریر کیا ہے تاکہ اہل کتاب یقین کریں، ایمان والوں کے ایمان میں اضافہ ہو اور اہل کتاب اور مومنین شک و شبہ میں مبتلا نہ ہوں۔ جو لوگ ان کے بعد آئیں وہ کہیں کہ لے پروردگار ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے! جنہوں نے ایمان لانے میں ہمسام پر سبقت کی ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہمارے دلوں میں کوئی کمی نہ آنے دے۔ اے خدا! بے شک تو مسربان اور رحم کرنے والا ہے۔ لے

لے ان سطور میں سورۃ حدید آیت ۲۷، سورۃ مدثر آیت ۳۱ اور سورۃ حشر آیت ۱۰ کے مفہیم کو مسلسل لکھا گیا ہے۔

يا صاحب الزمان ادر كنى خدمتگارانِ مكتبِ اهلبيت (ع)

سيد حسن على نقوى

حسان ضياء خان

سعد شميم

حافظ محمد على جعفرى

﴿ التماس سورة الفاتحة ﴾

سيده فاطمه رضوى بنت سيد حسن رضوى

سيد ابوزر شہرت بلگرامى ابن سيد رضوى

سيد مظاہر حسين نقوى ابن سيد محمد نقوى

سيد محمد نقوى ابن سيد ظہير الحسن نقوى

سيد الطاف حسين ابن سيد محمد على نقوى

سيده ام حبیبہ بیگم

حاجى شيخ عليم الدين

شمشاد على شيخ

مسح الدين خان

فاطمه خاتون

شمس الدين خان

Hassan

naqviz@live.com